Regd. # MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ فہمِ دین

•جلد 12/•شمارہ 10/•مئی/2023

صحت مند ایمان کی خوشبو

کم عمر بہادر

امت مسلمہ کا قرض

صلہ

جادوئی بانسری

BAITUSSALAM PUBLICATIONS
WWW.BAITUSSALAM.ORG/BS/PUBLICATIONS
91400056741
BAITUSSALAM

ماہنامہ فہمِ دین کراچی

مئی 2023

فہمِ وفکر

امت مسلمہ کا قرض	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حَفِظَہُ اللہ	08

مضامین

حضرت سعد بن لیث رحمۃ اللہ علیہ	حذیفہ رفیق	10
قدرتی وسائل کی حفاظت	رابعہ فاطمہ	12
حضرت زباعہ رضی اللہ عنہا	ندا اختر	13
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	15
ماں کا کردار	حکیم شمیم احمد	16
خوب صورت آداب	مبین اعجاز	17

خواتینِ اسلام

کوکب کا خواب	ام محمد سلمان	20
کفارہ	بینش احمد	21
بڑا بھائی	حفصہ فیصل	24
گرمیوں کی چھٹیاں	نشا وقار	25
بلاعنوان	بنت احمد	27
محنت کی کمائی	عظمٰی ظفر	28
ممتا	ارم شمیم	30
مکدر دل	اریشہ امجد	31

باغیچہ اطفال

کم عمر بہادر	بنت تاجور	33
اڑن گھری	فوزیہ خلیل	34
نوٹوں کا درخت	مہوش اسد شیخ	35
جادوئی بانسری	ڈاکٹر الماس روحی	36
بینو پہ کیا گزری	احمد رضا انصاری	37
ہومی اور کوکی	سمیرا انور	38

بزمِ ادب

وفاق المدارس سلامت رہے	جوہر عباد	42
گلدستہ	شیخ ابوبکر، عبد الرحمن چترالی	44

اخبار السلام

دی انٹیلکٹ اسکول	اہلیہ محمد کاشف	46

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمن
نظرِ ثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	فیضان الحق شمسی

آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور، بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ	50 روپے
سالانہ برائے کراچی	750 روپے
سالانہ اندرون ملک	
عام ڈاک	750 روپے
رجسٹریشن پیکٹ	1250 روپے
سالانہ بیرون ملک	55 ڈالر

ناشر	مطبع	مقامِ اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفترِ فہمِ دین

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Available on the App Store
GET IT ON Google Play

بیت السلام پبلیکیشن
کے تمام میگزین
ایک کلک کے فاصلے پر

ماہنامہ فہمِ دین (اردو)
سہ ماہی مجلۃ السلام (عربی)
سہ ماہی انٹیلکٹ (انگلش)
ماہانہ ریڈینس (انگریزی)
نیوز بلیٹن (اردو، انگریزی)

پلے اسٹور سے BAITUSSLAM
ایپ ڈاؤن لوڈ کیجیے اور ملاحظہ کیجیے

اس کے علاوہ اس ایپ میں آپ پائیں گے

• تلاوت کے لیے قرآن کریم کا نسخہ • نماز کے اوقات • قبلہ نما (دوران سفر سمت قبلہ جاننے کی سہولت)
• شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات
• حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ کے تمام بیانات اور خطبات • اصلاحی مواعظ کے کتابچے
• اندرون و بیرون ملک بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی تفصیلات
• بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمت میں شامل ہونے کی رہ نمائی
• اجتماعی قربانی میں حصہ لینے سمیت زکوۃ، صدقات اور عطیات کی رقوم آن لائن بھیجنے کی رہ نمائی
اور بھی بہت کچھ

BaitussalamWelfareTrust | baitussalamwelfaretrust | Baitussalam
baitussalam_org | 923162881088 | Baitussalam_Org

امتِ مسلمہ کا قرض

یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ میرا ایک ہنستا بستا گھر ہے، ایک محبت کرنے والا کنبہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اولاد بھی دی ہے، اور میں زندگی میں جو کچھ بھی کرتا ہوں، انھی کے لیے کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے ایک جما ہوا کاروبار بھی دیا ہوا ہے، صبح و شام، دن رات، مہ و سال یہی زندگی ہے، بچوں کی بہتری کے لیے اسکول والوں نے بلایا تو وہاں چلے گئے، بچوں نے پکنک کی ضد کی تو پارک چلے گئے، بچوں کو نانو، دادو کی یاد آئی تو آبائی گاؤں چلے گئے، سالانہ چھٹیاں آئیں تو اندرون یا بیرون ملک ٹھنڈے علاقوں کی سیر و سیاحت کے لیے چلے گئے، خدانخواستہ کوئی بیماری آگئی تو ذرا فکر مندی سے ہسپتال بھی چلے گئے، باقی بکھیڑے تو ساتھ ساتھ چلتے ہی رہتے ہیں، کبھی گھر میں دعوت، کبھی موڈ ہوا تو ہفتے دو ہفتے میں ہوٹلنگ بھی کر لی۔ تھوڑی بہت کمی بیشی کے ساتھ یہ ہماری زندگیوں کا ایک نقشہ ہے، جس میں پوری کہانی ایک کنبے کے گرد گھوم رہی ہوتی ہے۔

مگر ہم اس معاشرے، ملک اور دُنیا میں رہتے ہوئے کچھ اور چیزیں بھی استعمال کرتے ہیں، جن کے بغیر ہمارا گزارا نہیں۔ سورج کی روشنی ہر ایک کی ضرورت ہے، ورنہ وٹامن ڈی تھری کی کمی ہو جاتی ہے، گھروں میں کھڑکیاں رکھی جاتی ہیں، تاکہ ہوا کی آمد و رفت ہو، ورنہ گھروں میں گھٹن ہو جاتی ہے، علاقوں میں اجتماعی پارک ہیں، جہاں روزانہ کی سیر کے لیے بچے، بڑے، مرد و زن سبھی جاتے ہیں، جگہ جگہ بازار ہیں، جہاں قومی اور بین الاقوامی مصنوعات پوری دُنیا سے تیار کر کے لائی جاتی ہیں اور چند ٹکوں کے عوض ہر ایک کے لیے اپنی ضرورت حاصل کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے، اپنا پیارا وطن پاکستان ہے، جہاں محبتوں کی فراوانی ہے، مائیں بہنیں اکیلی باہر نکل جائیں، کوئی ڈر نہیں، بچے پیدل، گاڑی پر، بائیک پر بے خوف و خطر آتے جاتے ہیں، ذرا سوچیں، یہی اگر اسرائیل یا برما وغیرہ ہوتا تو عورتیں اور بچے تو دور کی بات، مردوں کی زندگی بھی غیر محفوظ ہوتی۔

جگہ جگہ مساجد قائم ہیں، جہاں نماز کا وقت ہوا، گاڑی روکی، مسجد میں داخل ہوئے اور باجماعت نماز ادا کر لی، ابھی رمضان المبارک گزرا ہے، کیسا پیارا روزوں کا اجتماعی ماحول تھا، فجر سے پہلے سحری کے لیے بازار کھلے ہوئے، افطاری کے لیے مغرب کے وقت ساری سڑکیں سنسان ہو جاتی ہیں، تراویح میں بچے، جوان بوڑھے سب مرد مسجدوں میں پہنچ جاتے، پھر حج اور عمرے کا سماں، لاکھوں مسلمان دُنیا بھر سے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں، کوئی کسی کو نہیں جانتا، مگر کوئی کسی سے وحشت بھی نہیں کھاتا، اس لیے کہ کلمے کی بھی ایک انسیت اور ایک رشتہ ہے۔ تھوڑی بہت کمی بیشی کے ساتھ یہ سب سہولتیں بھی ہم سب کو حاصل ہیں اور ان چیزوں سورج، ہوا، اجتماعی پارکوں، قومی اور بین الاقوامی مصنوعات، پُرامن محبتوں بھرا ماحول، دینِ اسلام پر عمل کرنے کی بلا روک ٹوک سہولت، یہ سب چیزیں ہمارے گھر اور ہمارے کنبے سے باہر کی چیزیں ہیں۔ کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ان میں سے کوئی چیز ہمارے گھر میں بنتی ہے اور ہم معاشرے کو فراہم کر رہے ہیں، ہاں اس کے برعکس پکا ہے کہ ہم سب یہ چیزیں کائنات، دُنیا اور معاشرے سے حاصل کر رہے ہیں۔

تو اب سوال یہ ہے کہ جب ہم، ہمارا کنبہ اور گھرانا اس معاشرے اور سوسائٹی سے اتنی سہولیات اور منافع حاصل کر رہا ہے تو پھر اس معاشرے اور سوسائٹی کو بدلے میں ہم بھی کچھ دے رہے ہیں یا نہیں۔ اس کا جواب کم از کم ''نہیں'' تو بالکل نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ معاشرے سے سب کچھ لے کر معاشرے کو کچھ بھی نہ دینا تو خود غرضی اور مفاد پرستی کہلائے گا، جس کی کسی بھی طرح تعریف نہیں کی جاسکتی، بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ امتِ مسلمہ اور وطنِ عزیز کی رفاہی ضروریات کو ہم ایسے ہی اپنی ضرورت سمجھیں، جیسے اپنے کنبے اور گھر کی ضرورت کا ہم احساس کرتے ہیں۔

جی قارئینِ گرامی! بات صرف احساس کی ہے۔ ایک مثال ہے، بجلی گیس کی سہولت ہم اپنے وطنِ عزیز سے حاصل کرتے ہیں تو بدلے میں ہم یوٹیلٹی بلز ماہانہ پابندی سے ادا کرتے ہیں، تاکہ میرے گھر کا کوئی ضروری کنکشن نہ کاٹ دیا جائے، چلیں یہ بل ادا کرنا تو حکومت نے لازم کر رکھا ہے، لیکن ایک بات ہمیں اپنے اوپر لازم کر لینی چاہیے اور وہ یہ کہ ''امتِ مسلمہ اور معاشرے سے حاصل کردہ سہولیات (مال و دولت، صحت، محبت، عزت) کا بدلہ بھی ہم امتِ مسلمہ اور معاشرے کو یوٹیلٹی بل کی طرح وقتاً فوقتاً ادا کرتے رہیں تاکہ امتِ مسلمہ کے غموں کا مداوا کرنے اور اخوت اور بھائی چارے کی فضا قائم کرنے اور معاشرے کو مثالی بنانے میں ہمارا حصہ بھی ہو سکے۔ یاد رکھیں، یہ ایک طرح سے امتِ مسلمہ کا ہم پر قرض ہے، جسے چکائے بغیر ہم بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ والسلام!

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

المائدہ 30-33

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ 30

ترجمہ: آخرکار اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کرلیا، چناں چہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا اور نامرادوں میں شامل ہوا۔ 30

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ
قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ
فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ 31

ترجمہ: پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھودنے لگا، تاکہ اسے دِکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔ (یہ دیکھ کر) وہ بولا: ''ہائے افسوس! کیا میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔'' اس طرح بعد میں وہ بڑا شرمندہ ہوا۔ 31

تشریح نمبر1: یہ چوں کہ کسی کے مرنے کا پہلا واقعہ تھا، جو قابیل نے دیکھا، اس لیے اسے مردوں کو دفن کرنے کا طریقہ معلوم نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھود کر کسی مرے کوّے کو دفن کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر قابیل کو نہ صرف دفن کرنے کا طریقہ معلوم ہوا، بلکہ پشیمانی بھی ہوئی۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ
اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ
جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ
جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ
اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ
لَمُسْرِفُوْنَ 32

ترجمہ: اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جو کوئی کسی کو قتل کرے، جب کہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کے لیے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو تو یہ ایسا ہے، جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے، جیسے اس نے تمام انسانوں کی جان بچالی اور واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے، مگر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں ہی کرتے رہے ہیں۔ 32

تشریح نمبر2: مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کے خلاف قتل کا یہ جرم پوری انسانیت کے خلاف جرم ہے، کیوں کہ کوئی شخص قتلِ ناحق کا ارتکاب اسی وقت کرتا ہے، جب اس کے دل سے انسان کی حرمت کا احساس مٹ جائے۔ ایسی صورت میں اگر اس کے مفاد یا سرشت کا تقاضا ہوگا تو وہ کسی اور کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرے گا اور اسی طرح پوری انسانیت اس کی مجرمانہ ذہنیت کی زد میں رہے گی، نیز جب اس ذہنیت کا چلن عام ہو جائے تو تمام انسان غیر محفوظ ہو جاتے ہیں، لہٰذا قتلِ ناحق کا ارتکاب چاہے کسی کے خلاف کیا گیا ہو، تمام انسانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ جرم ہم سب کے خلاف کیا گیا ہے۔

اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ
فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ
اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ
الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ 33

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا انھیں زمین سے دور کر دیا جائے۔ یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے زبردست عذاب ہے۔ 33

تشریح نمبر3: پیچھے جہاں انسانی جان کا ذکر تھا، وہاں یہ اشارہ بھی دیا گیا تھا کہ جو لوگ زمین میں فساد مچاتے ہیں، ان کی جان کو یہ حرمت حاصل نہیں ہے۔ اب ان کی مفصّل سزا بیان کی جا رہی ہے۔ مفسّرین اور فقہا کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے مراد وہ ڈاکو ہیں جو اسلحے کے زور پر لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ ان کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے قوانین کی بے حرمتی کرتے ہیں اور ان کا لوگوں سے لڑنا گویا اللہ اور اس کے رسول سے لڑنا ہے۔ ان لوگوں کے لیے اس آیت میں چار سزائیں بیان کی گئی ہیں۔ ان سزاؤں کی تشریح امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمائی ہے کہ اگر ان لوگوں نے کسی کو قتل کیا ہو، مگر مال لوٹنے کی نوبت نہ آئی ہو تو انھیں قتل کیا جائے گا، مگر یہ قتل کرنا حدِ شرعی کے طور پر ہوگا، قصاص کے طور پر نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر مقتول کے وارث معاف بھی کرنا چاہیں تو ان کی معافی نہیں ہوگی اور اگر ڈاکوؤں نے کسی کو قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لوٹا ہو تو انھیں سولی پر لٹکا کر ہلاک کیا جائے گا اور اگر مال لوٹا ہو اور کسی کو قتل نہ کیا ہو تو ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور اگر انھوں نے لوگوں کو صرف ڈرایا دھمکایا ہو، نہ مال لوٹنے کی نوبت آئی ہو اور نہ ہی کسی کو قتل کرنے کی تو چوتھی سزا دی جائے گی۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآنِ کریم نے ان جرائم کی سزائیں اصولی طور پر بیان فرمائی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے احادیث میں تفصیل بیان فرمائی ہے کہ ان سخت سزاؤں پر عمل درآمد کے لیے کیا شرائط ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں یہ ساری تفصیل آئی ہے۔ یہ شرائط اتنی کڑی ہیں کہ کس مقدمے میں ان کا پورا ہونا آسان نہیں، کیوں کہ مقصد ہی یہ ہے کہ یہ سزائیں کم سے کم جاری ہوں، مگر جب جاری ہوں تو دوسرے مجرموں کے لیے سامانِ عبرت بن جائیں۔

تشریح نمبر4: یہ قرآنی الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''زمین سے دور کرنے'' کی تشریح یہ کی ہے کہ انھیں قید خانے میں بند کر دیا جائے گا۔ یہ تشریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے۔ دوسرے فقہا نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ انھیں جلاوطن کر دیا جائے گا۔

فہم حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

دینی اخوت اور اسلامی ہم دردی وغم خواری

رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ ﷺ کی تعلیم ساری دنیا کے لیے رحمت ہے، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عام مخلوق اور عام انسانوں کے ساتھ ترحّم اور حسنِ سلوک کے بارے میں اپنے ماننے والوں کو ہدایات دی ہیں اور نصیحتیں فرمائی ہیں، لیکن آپ ﷺ کو اللہ کا پیغمبر ماننے والی امت چوں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دینی رشتے کے ذریعے ایک برادری بنادی گئی ہے اور اب رہتی دنیا تک اس برادری ہی کو نبوت کی نیابت اور نمایندگی کرنی ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے، جب کہ امت کے مختلف افراد اور عناصر دینی اخوت، للّٰہی محبت، مخلصانہ ہم دردی اور خیرخواہی اور بے غرضانہ تعاون کے ذریعے ایک وحدت بنے رہیں اور ان کے دل آپس میں پوری طرح جڑے رہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں اس پر خاص الخاص زور دیا ہے۔

مسلمانوں میں باہم محبت ومودّت کا تعلّق ہونا چاہیے

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَ تَوَادِّهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت ومہربانی کرنے میں تم جسمِ انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اُس کے کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضا بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریکِ حال ہوجاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والوں میں باہم ایسی محبت ومودّت، ایسی ہم دردی اور ایسا دلی تعلّق ہونا چاہیے کہ دیکھنے والی ہر آنکھ اُن کو اس حال میں دیکھے کہ اگر اُن میں سے کوئی ایک کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو سب اُس کو اپنی مصیبت سمجھیں اور سب اُس کی فکر اور بے چینی میں شریک ہوں اور اگر ایمان کے دعوے کے باوجود یہ بات نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ حقیقی اور کامل ایمان نصیب نہیں ہے۔ ایمان والوں کی یہی صفت قرآنِ مجید میں ”رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ“ کے مختصر الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وَ يُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کرے (اور جب وہ اس کی مدد واعانت کا محتاج ہو تو اس کی مدد کرے) اور اُس کو بے مدد کے نہ چھوڑے اور اُس کو حقیر نہ جانے اور نہ اُس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے (کیا خبر کے اُس کے دل میں تقویٰ ہو، جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک مکرم ومحترم ہو) پھر آپ ﷺ نے تین بار اپنے سینے مبارک کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: تقویٰ یہاں ہوتا ہے (ہوسکتا ہے کہ تم کسی کو اُس کے ظاہری حال سے معمولی آدمی سمجھو اور اپنے دل کے تقویٰ کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک محترم ہو، اس لیے کبھی مسلمان کو حقیر نہ سمجھو) آدمی کے بُرا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اُس کے ساتھ حقارت سے پیش آئے، مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لیے قابلِ احترام ہے، اُس کا خون، اُس کا مال اور اُس کی آبرو (اس لیے ناحق اُس کا خون گرانا، اُس کا مال لینا اور اُس کی آبرو ریزی کرنا، یہ سب حرام ہیں)۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ہر مسلمان پر اُس کے دوسرے مسلمان بھائی کا ایک یہ حق بھی بتایا گیا ہے کہ جب وہ اُس کی مدد کا محتاج ہو تو یہ اُس کی مدد کرے، لیکن یہ اُسی صورت میں ہے، جب کہ وہ حق پر ہو اور مظلوم ہو۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارا بھائی اگر مظلوم ہو تو اُس کی مدد کرو اور اگر ظالم ہو تو اُس کو ظلم سے روکو، اُس کو ظلم سے روکنا ہی اُس کی مدد کرنا ہے۔

نرم مزاجی اور درشت خوئی

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ حُرِمَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

(رواہ البغوی فی شرح السنہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی کی خصلت کا اپنا حصہ مل گیا، اس کو دنیا اور آخرت کے خیر میں سے حصہ مل گیا اور جس کو نرمی نصیب نہیں ہوئی، وہ دنیا اور آخرت میں خیر کے حصے سے محروم رہا۔

صحت مند ایمان کی خوشبو

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

ایمان اپنے ساتھ بہت سی خوبیاں، اچھی صفات اور بہترین زندگی لے کر آتا ہے۔ ایمان صحت مند ہوا اپنے ساتھ خوشبودار زندگی لے کر آتا ہے، پھل بوٹے لے کر آتا ہے۔ اس کی زندگی میں بڑی خوب صورتی آتی ہے۔۔۔ تو ایمان کی خوبیوں میں ایک بڑی خوبی جو آدمی کو بہت ساری خوبیوں سے آراستہ کردیتی ہے، بظاہر وہ ایک عادت ہے اور ایک خصلت ہے اور ایک خوبی ہے، لیکن وہ ذریعہ ہے بہت ساری خوبیوں سے آراستہ ہونے کا اور وہ ہے سچائی۔ پیارے نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: تم سچائی کو لازم پکڑو اور سچائی بذاتِ خود ایک بہت بڑی خوبی ہے، لیکن فرمایا: سچائی سے تو آدمی کا کردار، آدمی کا کریکٹر، آدمی کی سیرت، آدمی کی زندگی خوب صورت اور نیکیوں سے آراستہ ہوجاتی ہے اور یہ جنت کا مستحق بنتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: آدمی سچ بولتا ہے اور زندگی بھر سچ کی کوشش کرتا ہے، اللہ کے یہاں صدیق لکھا جاتا ہے۔

سچ بولنا خود بہت بڑی خصلت ہے، لیکن فرمایا: یہ ایسی خصلت ہے، جو دوسری خصلتوں کو، اچھی عادتوں کو کھینچتی ہے۔ بچے کو سچائی کی عادت ڈال دیں نا! تو وہ ابا کی نظروں سے اوجھل ہے، اماں سے دور ہے، استاد سے دور ہے، لیکن اسے پتا ہے کہ غلط کروں گا تو بتانا پڑے گا، سچ بولنا ہے، اب یہ اس کی سچائی کی عادت اسے خلوتوں میں، تنہائیوں میں برائی سے روک رہی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ جھوٹ ایسی عادت ہے کہ یہ سہارا بنتی ہے ہر قسم کے جرائم کا اور برائیوں کا سہارا بنتی ہے، اگر آپ کوئی بھی برائی دیکھیں گے تو اس کے پیچھے سہارا کس کا لیا گیا ہے؟ جھوٹ کا۔۔۔ آپ کوئی بھی گندی عادت دیکھیں کوئی بھی برائی دیکھیں گے، کوئی بھی جرم دیکھیں، کوئی بھی خیانت دیکھیں، کوئی بھی کرپشن دیکھیں، کوئی بھی لوٹ مار دیکھیں، کوئی بھی ڈاکہ دیکھیں، چوری دیکھیں، پیچھے کیا ملے گا؟ سہارا کس کا لیا ہے؟ جھوٹ کا۔۔۔ جھوٹا ہے، جہاں سچائی آدمی کو خوب صورت عادات سے آراستہ کردیتی ہے، وہاں جھوٹ کی عادت آدمی کو گندگی سے اور گندا کردیتی ہے، اس کی زندگی ناقابلِ اعتماد ناقابلِ اعتبار۔۔۔ اللہ حفاظت فرمائے!! کسی معاشرے میں جھوٹ کی عادت ہوجائے، کوئی کسی پر اعتماد نہیں کرتا، پورا معاشرہ ناقابلِ اعتماد ہوجاتا ہے۔ پتا نہیں جھوٹ بول رہا ہوگا، غلط بیانی کر رہا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: **وَاِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ** ''جھوٹ سے بچو، اس لیے کہ جھوٹ تو بہت بری عادت ہے۔''

فَاِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ اِلَى الْفُجُوْرِ

یہ تو آدمی کو گندا کردیتی ہے۔ گندگی کی طرف لے جاتی ہے اور پھر گندگی جہنم کی مستحق بنتی ہے، جنت سے محروم رہ جاتا ہے، جو چیز کسی معاشرے میں بہت رواج پا جائے نا! اس کی برائی ختم ہوجاتی ہے، اس کی برائی کا احساس ختم ہوجاتا ہے۔ یہ بھی برائی ہے، حالاں کہ اللہ کے نبی ﷺ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان کی طبیعت اور فطرت مسلمان ایمان والے کی طبیعت اور فطرت ہر کم زوری قبول کرسکتی ہے، لیکن وہ خیانت اور جھوٹ کو قبول نہیں کرسکتی۔ ایمان والے کی فطرت میں کوئی جوڑ نہیں ہے، خیانت سے اور جھوٹ سے۔۔۔ فرمایا یہ ہر کم زوری قبول کرلے گی۔ اس ایمان والے کی فطرتِ مال سے فطرتی محبت ہے، بخیل ہوسکتا ہے، طبیعت میں فطرتی کم زوری ہے، بزدل ہوسکتا ہے، ایمان والا جھوٹا نہیں ہوسکتا! ایمان والا خائن نہیں ہوسکتا! برائی عام ہوجائے نا تو اس کا احساس بھی نکل جاتا ہے، حالاں کہ اللہ کے نبی فرمایا کرتے تھے کہ جھوٹ اور خیانت یہ منافق کی عادت ہے۔ جہاں نفاق ہوتا ہے وہاں جھوٹ ہوتا ہے، خیانت وہاں ہوتی ہے جہاں نفاق ہوتا ہے، ایمان کا اور مسلمان سے اس کا کیا تعلق ہے؟ مغرب اپنے ظاہری مفادات کی خاطر وقتی مفادات کے لیے اپنی نسل میں سچائی کی عادت پیدا کرتا ہے، لیکن وقتی مفادات کی خاطر اور جہاں ان کا مفاد جھوٹ میں ہوتا ہے تو وہ بڑے سے بڑا جھوٹ بول کر قوموں کا استحصال کرتے ہیں، قوموں کو ہلاک و برباد اور تباہ کرتے ہیں، لیکن وقتی مفادات کے لیے وہ اپنی قوم کو سچائی پر اور جس مسلمان کا دین ہی سچائی پر ہے، جس کا مذہب ہی سچائی پر ہے، جس کا ایمان اور اسلام ہی سچائی پر تھا۔۔۔ آج اس کے یہاں جھوٹ ہے، وہاں نہ اس کی تعلیمی ماحول میں اس کی گنجائش ہے، نہ اس کے دائیں بائیں تربیت کے ماحول میں گنجائش ہے، نہ اس کی زندگیوں میں آج سچائی کی زندگی نظر آتی ہے، ہمارے تو مذہب کی بنیاد ہی سچائی پر ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اس کلمے کو جھوٹا پڑھ رہا ہے سچا پڑھ رہا ہے سچ ہے تو ایمان والا ہے نا

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ سچائی کو لازم پکڑو

وَاِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ جھوٹ سے دور رہو

سچائی کی عادت، سچائی کی کوشش، اللہ کے یہاں صدیق لکھا جائے گا۔ جھوٹ اور جھوٹ کی عادت، ساری برائیوں کا مجموعہ بن جائے گا، جہنم کا مستحق بنے گا۔ سچ بولنا مسلمان معاشرے کا امتیاز یہی تھا، ایک مسلمان زندگی کا امتیاز یہی تھا، یہاں جھوٹ نہیں ہوگا میں معاملہ کس سے کر رہا ہوں؟ میرا لین دین کس سے ہے؟ میرا ماتحت کون ہے؟ میرے اوپر کون ہے؟ مسلمان ہے، اطمینان ہے، خیانت نہیں ہوگی، ملاوٹ نہیں ہوگی، یہ میری امانت میں خیانت نہیں کرے گا، یہ غلط اس کو خرچ نہیں کرے گا۔ مسلمان معاشرے پر اعتماد کی وجہ یہ تھی

کہ مسلمان سچا ہوتا ہے، وقتی طور پر سچائی پر کچھ مفادات پر ضرب پڑتی ہے، نظر آتا ہے سچ بولوں گا تو مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے۔ اللہ کی شان ہے، سچے لوگوں کا تذکرہ اللہ نے قرآن میں بیان کیا ہے۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا

ایک غزوہ تھا۔ سچے مخلص مسلمان اس میدانِ جہاد میں شریک نہیں ہوسکے، کچھ ایسے تھے جو منافق تھے اور انوں ں نے جھوٹ کا سہارا لیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے جھوٹے بہانے بنا لیے، اللہ نے بتا دیا تھا کہ یہ جھوٹے ہیں، لیکن سچے مسلمان انہوں نے آ کر اقرار کیا، اعتراف کیا، رسول اللہ ﷺ سستی ہوگئی، کوئی وجہ نہیں تھی، کاہلی ہوگئی، تاخیر ہوگئی، اس لیے ہم نہیں جاسکے، بہت بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ فرمانے لگے کہ مدینے کی زندگی اپنی وسعتوں کے باوجود ہم پر تنگ ہوگئی۔ مدینہ میں آواز لگ گئی، کسی نے ان سے بات نہیں کرنی، پورا بائیکاٹ! یہاں تک کہ بیوی تک بات نہیں کر رہی، توجہ نہیں کر رہی، اللہ کے نبی کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، دیکھتے ہیں حضور توجہ کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے، بتائیے کیا حال ہوا ہوگا؟ کوئی بات ہی نہیں کر رہا مسلمان۔۔۔

حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ

کوئی ٹھکانہ نہیں رہا زندگی کا، بہت تکلیف دہ احوال!! لیکن سچائی سے کام لیا۔ کچھ دن گزرے اللہ کے نبی کی طرف وحی آ گئی، اللہ کی طرف سے پیغام آیا اپنے نبی کو اور وہ پیغام بھی ایسا نہیں کانوں کان، قرآن کی آیت آ گئی، فرمایا: وہ مخلص ہیں، وہ تینوں سچے ہیں، اللہ رب العزت نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ صحابی دوڑتا ہوا ان کو جا کر خوش خبری سناتا ہے، وہ دوڑتے ہوئے حضور کی خدمت میں آتے ہیں، آپ ان سے کہنے لگے: جب سے تم پیدا ہوئے ہو، آج تک تمہاری زندگی کا اس سے بڑا سعادت کا دن نہیں آیا، جو آج اللہ نے تجھے سعادت نصیب فرمائی۔ سچائی اور سچے نبی نے سچ کہا ہے۔

اَلصِّدْقُ يُنْجِيْ وَالْكَذِبُ يُهْلِكُ

سچائی میں نجات ہے، سچائی میں نفع ہے، سچائی میں فائدہ ہے۔ آج نہ دیکھو میاں! ظاہر نہ دیکھو! اپنے نبی کی ذات پر نبی کی بات پر وعدے پر یقین رکھو، سچ بولو، کیسا نفع ہوگا؟ کیسا فائدہ ہوگا؟ نبی نے کہہ دیا تو سچ کہا ہے، ہوگا، نفع اور تم جھوٹ کا سہارا لے رہے ہو وقتی طور پر، فائدہ اٹھا رہے ہو، نفع اٹھا رہے ہو، ملاوٹ کر رہے ہو، کرپشن کر رہے ہو، بد دیانتی کر رہے ہو، خیانت کر رہے ہو، اپنے جرائم کو چھپا رہے ہو، نبی نے سچ کہا ہے: **وَالْكَذِبُ يُهْلِكُ**

جھوٹ میں ہلاکت ہے اور ہوگی ہلاکت، جھوٹ سے ہلاکت، بربادی آئے گی۔ نبی جو کہہ رہے ہیں۔۔۔ تو سچائی مسلمانوں کا شعار تھا۔ مزدور ہے، مالک ہے، صاحب ہے غریب ہے، امیر ہے، جھوٹ نہیں بولتا، فرمایا: جھوٹ تو وہاں ہوتا جہاں نفاق ہوتا ہے، جہاں ایمان نہیں ہوتا، جہاں اسلام نہیں ہوتا۔ مسلمان کی تو فطرت ایمان کی وہ دولت ہے، ایمان جھوٹ کو قبول ہی نہیں کرتا، جس کے اندر جھوٹ کی عادت ہو، لیکن جب برائی رواج پا جائے نا میرے عزیزو! تو پھر برائی اچھائی کا درجہ لے لیتی ہے۔ اب جو جتنا جھوٹا ہے، بڑا ہوشیار ہے، بڑا تیز ہے، بڑا ہی ہوشیار ہے اور بدقسمتی سے جو جملہ بھی کہہ دے بڑا سمجھ دار ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ! سچے نبی نے سچ کہا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، جب تمہاری نظر میں برائی اچھائی بن جائے گی۔ آج صرف برائی برائی کا ارتکاب نہیں ہے، برائی کرنا نہیں ہے، بلکہ آج برائی نے اچھائی کی جگہ لے لی ہے۔ ذہن یہ بن گیا ہے برائی اچھائی ہوگئی۔ یہ سود کھانے والا اسے گندگی تھوڑی سمجھتا ہے، فخر کرتا ہے سود لے کر، یہ بے حیائی فحاشی یہ گندگی اختیار کرنے والے شرمندہ تھوڑی ہیں، ثقافت سمجھتے ہیں، اس کو اپنا اسٹیٹس سمجھتے ہیں۔ ''چھوٹا آدمی، اس کے بارے میں تو معاشرہ بڑا شارپ، بڑا تیز ہے''

کوئی سچ بولتا ہے اور بظاہر تُو کیا کرے گا کاروبار؟ تو کاروبار کیسے کرسکتا ہے؟ تو مارکیٹ میں کیسے بیٹھ سکتا ہے؟ میاں! زیادہ سچ نہ بولا کرو، باپ بیٹے کو سمجھاتا ہے، بیٹا! سچ نہ بولا کرو تو برائی اچھائی بن جائے گی، اچھائی برائی ہوگئی، لیکن سچے نبی نے سچ کہا ہے کہ بھائی سچائی سے نفع ضایع نہیں ہوا کرتا اور جھوٹ سے کمائی میں برکت نہیں ہوتی، یہ خیر نہیں ہوتی، نفع نہیں ہوتا، بھلائی نہیں ہوتی، نکل جائے گا، کہیں سے کہیں چلا جائے گا اور ایسا جائے گا جو پڑا ہے وہ بھی ساتھ چلا جائے گا۔ اگر نبی کی بات پر اعتماد ہو نا تو کیوں جھوٹ بولے! لیکن جھوٹ نکل جاتا ہے اور ایک ہے جھوٹ کی عادت۔۔۔ غلطی ہوگئی، معافی مانگ لے! غلط بیانی ہوگئی، توبہ کرلے! لیکن زندگی ہی جھوٹ پر کھڑی ہے، سارا کاروبار ہی جھوٹ پر ہے، سارا لین دین ہی جھوٹ پر ہے، یہ بری عادت ہے! یہ مسلمان کی زندگی نہیں ہے۔۔۔

تو مسلمان معاشرے کا شعار تھا۔ اس کی سیرت میں اور اس کے کردار کی بنیادی خصلت تھی سچ بولتا تھا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ ''لوگ جھوٹوں کو سچا سمجھنے لگیں گے۔'' فراڈیوں کو لوگ سچا سمجھیں گے اور آج ایسا ہی ہے اور میں عرض کر رہا ہوں کہ ہر جرم کے پیچھے سہارا کس کا ہے؟ جھوٹ کا ہے۔ سچ ہی آ جائے تو برائیاں بہت جلد ختم ہوجائیں تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو نصیحت فرمائی، تلقین فرمائی، حکم دیا: **عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ** سچ کو لازم پکڑو! فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ اس لیے کہ سچائی تمہارے اندر اچھی خصلتیں پیدا کرے گی، اچھی عادت سیرت پیدا کرے گی، نیکیوں کی طرف لے جائے گی، تمہیں نیکیوں سے آراستہ کردے گی۔

فَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ

اور اگر تم سچائی پر آ گئے اور نیکیوں سے آراستہ ہوگئے تو پھر تمہارا کیریئر بن جائے گا، تمہاری زندگی بن جائے گی، جس کا نام جنت ہے، پھر آخرت میں اس کا انعام بہت ہی بڑا ہے۔

اِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ اس لیے کہ جھوٹ کی بری عادت ایسی ہے کہ برائیوں کی طرف لے جاتی ہے، ہر غلط کام کی طرف جب آدمی قدم اٹھاتا ہے تو کیا سوچتا ہے؟ جھوٹ بول لوں گا، چھپا لوں گا، کسی کو کیا پتا چلے گا برائیوں کا مجموعہ بن جائے گا اور گندے آدمی کی جگہ جنت نہیں ہے۔ فرمایا: جہنم ہے۔ اللہ حفاظت فرمائے! تو میرے عزیزو! مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق مسلمانوں کا بنیادی خلق سچائی ہے۔ سچ سے کام لینا، سچ پر زندگی لے کر آنا، اللہ رب العزت زندگی سچائی کی نصیب فرمائے اور اللہ تعالیٰ سچوں کے ساتھ رہنا نصیب فرمائے، اللہ تعالیٰ سچوں کی صحبت عطا فرمائے۔ آمین

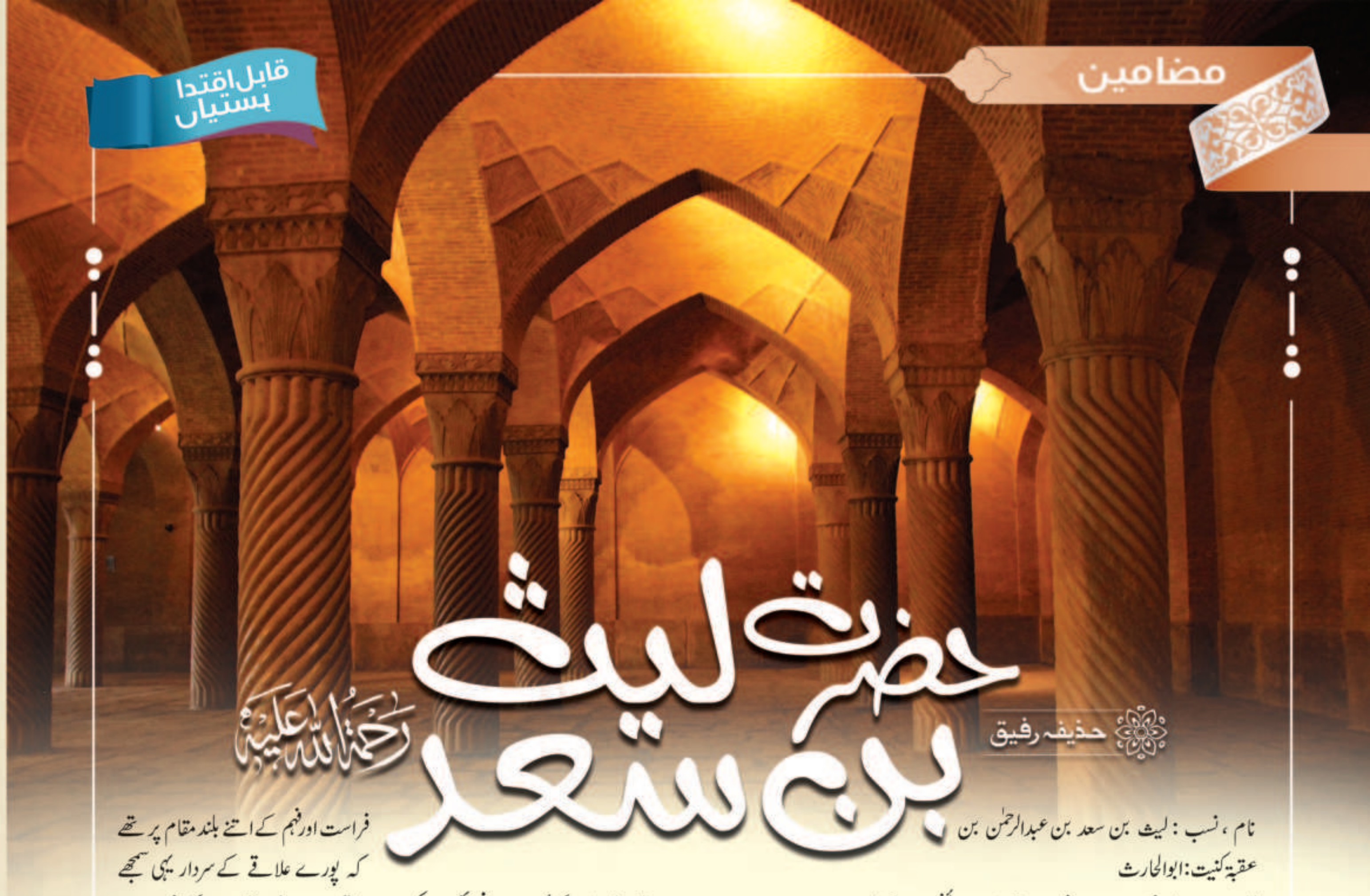

حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ

حذیفہ رفیق

نام ، نسب : لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن بن عقبۃ کنیت: ابوالحارث

لقب: امام، حافظ، فقیہ، محدّث، مجتہد، علاقہ: مصر، پیدائش: 94 ہجری

وفات: 175 ہجری (15 شعبان شب جمعہ) خاندان: اصل ان کا خاندان فارسی تھا، آبائی علاقہ اصبہان تھا۔ اساتذہ: عطاء بن ابی رباح، نافع، ابنِ شہاب زہری، قاضی ابو یوسف، تلامذہ: ہشیم بن بشیر، عبداللہ بن وہب، عبداللہ بن مبارک، اولاد: شعیب بن لیث (بیٹا)

لیث بن سعد کا آبائی علاقہ اصبہان تھا، وہیں کے فارسی خاندان کے سپوت تھے، بظاہر اس علاقے کے لوگ غلام بنا کر مصر لائے گئے تھے اور مصر میں ان کے خاندان کو آزاد کرانے والے یا ان کی سرپرستی کرنے "بنوفہم" خاندان کے ایک فرد "خالد بن ثابت بن ظاعن فہمی" تھے۔

لیکن لیثؒ کی پیدائش مصر میں ہی ہوئی، مصر کے ایک قصبہ قلقشندہ میں شعبان 94 ہجری میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم مصر کے ہی تابعین سے حاصل کی۔ بیس سال کی عمر میں 113 ہجری میں حج کا سفر کیا اور علمائے حجاز سے استفادہ کیا۔ عین ممکن ہے، اس سفر میں امام مالکؒ سے ملاقات بھی ہوئی ہو، کیوں کہ امام مالکؒ ان کے ہم عمر تھے، صرف ایک سال بڑے تھے۔ امام مالکؒ کی پیدائش 93 ہجری کی ہے۔ کتابوں میں تو یہ نہیں ملتا، لیکن بعد میں ان دونوں کا آپس میں جو تعلق تھا اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حج کے سفر سے واپسی کے بعد علمی ترقی کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کی شہرت ہونے لگی اور علمی پختگی میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ کچھ ہی عرصہ بعد منصب فتویٰ پر فائز ہوئے اور شرعی مسائل کے متعلق فتویٰ دینے لگے اور کچھ ہی وقت بعد مصر کے سب سے بڑے مفتی یہی تھے۔

بہت زبردست عالم تھے، فقیہ بھی تھے، محدّث بھی تھے، ایسے علما کم ہیں جو فقہ اور حدیث دونوں میں اچھی دسترس اور مضبوط گرفت رکھتے ہوں، لیث انہی میں سے ایک تھے۔

باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ بنواُمیہ کے زمانہ خلافت میں مروان بن محمد کے دور میں مصر کے قاضی بھی رہے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے کوئی سرکاری منصب تو قبول نہیں کیا، لیکن علم، فضل، فراست اور فہم کے اتنے بلند مقام پر تھے کہ پورے علاقے کے سردار یہی سمجھے جاتے تھے۔ مصر کے اُمراء اور قاضی بھی ان کی بات بڑی توجہ سے سنتے تھے۔ ان کے مشوروں پر اہتمام سے عمل کرتے تھے اور پیش آمدہ مسائل میں خود ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سلطان، خلیفۂ وقت بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔

ابوجعفر منصور (حلافت عباسیہ کا دوسرا خلیفہ) نے ان سے درخواست کی تھی کہ اس پورے صوبے میں اس کے نائب بن جائیں، بلاشبہ یہ بہت عمدہ پیشکش تھی، دینی اور دنیوی ہر لحاظ سے لیکن لیث بن سعد نے معذرت کرلی۔

لیث بن سعدؒ اور امام مالکؒ دونوں ہم عصر بھی تھے اور ہم عمر بھی تھے۔ البتہ لیثؒ مصر میں تھے اور امام مالکؒ مدینہ منورہ میں، دونوں ہی علم، فضل اور تقویٰ میں مشہور تھے۔ علاقوں کی دوری کے باوجود دونوں بزرگوں کا آپس میں بہت تعلق تھا۔ خط و کتابت کے ذریعے یہ حضرات آپس میں رابطہ میں رہتے تھے۔ ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرتے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کی قدر بھی کرتے تھے، اگرچہ علمی اعتبار سے دونوں ہی امامت اور اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ اس لیے شرعی مسائل میں اختلاف بھی تھا، لیکن اس کے باوجود دونوں حضرات کے آپس میں بہت اچھے مراسم تھے، جس کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے، جو جانبین سے ایک دوسرے کو لکھے گئے۔

ان دونوں اکابر کا فقہ (یعنی شرعی مسائل کی سمجھ بوجھ، فہم) میں بہت بلند مرتبہ تھا، دونوں ہی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے، یعنی جس طرح امام مالکؒ مجتہد اور ایک فقہی مکتبِ فکر کے بانی و مؤسس، موجد ہیں۔ اسی طرح لیث بن سعد بھی مجتہد اور صاحب مذہب تھے، لیکن ان کا مکتبِ فکر آگے جاری نہ رہ سکا، بلکہ آگے چل کر صرف چار اماموں کے مکاتب فکر دنیا میں رواج پائے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم یہی اللہ تعالیٰ کا تقدیری فیصلہ اور تکوینی حکم تھا اور اس میں اس کی بے شمار حکمتیں پنہاں ہیں۔

ویسے تو دونوں علمی اعتبار سے ہم پلہ تھے، لیکن اُس زمانے کے علما کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ لیث بن سعدؒ کا علمی مرتبہ، فقہی درجہ امام مالکؒ سے بھی بلند تھا، چناں چہ امام شافعیؒ (جو کہ امام مالکؒ کے شاگرد بھی رہے ہیں) فرماتے ہیں:

"اَللَّيْثُ أَفْقَهُ مِنْ مَالِكٍ إِلَّا أَنَّ أَصْحَابَهُ لَمْ يَقُومُوا بِهِ"

لیث امام مالک سے بڑے فقیہ ہیں، لیکن ان کے ساتھیوں نے ان کے علم کو سنبھالا نہیں۔

اسی طرح سعید بن ایوب کہتے ہیں: جب امام مالک اور لیث جمع ہوں اور گفتگو کریں تو بات کرنے والے لیث ہی ہوتے ہیں، امام مالک سن کر استفادہ کرتے ہیں، یعنی لیث کا علمی مقام بہت بلند ہے۔

لیکن اس سب کے باوجود لیث بن سعد نے جب بھی امام مالکؒ سے کسی علمی مسئلہ میں اختلاف کیا تو بہت باادب لہجے میں کیا، خواہ بالمشافہ گفتگو سے ہو یا خط و کتابت سے ہو اور آپس کے خط و کتابت میں صرف اختلافی مسئلہ پر اکتفا نہیں کیا۔ (اوقیات الایمان، سیر اعلام النبلاء)

بلکہ خیریت دریافت کرنے ابتداً اور انتہاً میں عافیت اور سلامتی کی دعائیں دینے سے ان کا قلم کبھی نہیں چوکا۔

امام مالکؒ کو خصوصی تحائف ارسال فرماتے اور امام مالکؒ بھی اس تعلق کی بنیاد پر لیث بن سعدؒ سے اپنے حالات عرض کرتے اور درخواست کرلیا کرتے آگے اس کا ذکر آرہا ہے۔

یحییٰ بن عبداللہ کہتے ہیں: لیث فطرتاً دینی سمجھ رکھتے تھے، بہت خوب عربی بولتے تھے، خوب صورت آواز اور لہجے میں قرآن کی تلاوت فرماتے، نحو (عربی گرامر) میں بھی ماہر تھے۔ احادیث اور اشعار کے حافظ تھے۔ برمحل (احادیث اور اشعار کا) استدلال بھی کرتے تھے۔ اس طرح دس صفات انگلیوں پر گنوائیں اور پھر کہا میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔

عبداللہ بن وہب کہتے ہیں: امام مالک نے جہاں کہیں بھی یوں لکھا یا کہا ہے:

مجھے یہ بات اہل علم، علماء میں سے اس شخص نے بتائی ہے جس پر مجھے (علمی دریافت کے اعتبار سے) پورا اطمینان ہے۔

تو اس سے امام مالکؒ کی مراد لیث بن سعد ہی ہوتے ہیں۔

ابنِ وہبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر مالکؒ اور لیثؒ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: علم 3 لوگوں کے گرد گھومتا ہے: مالکؒ، لیثؒ اور سفیان بن عیینہؒ، علامہ ذہبیؒ اس قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں، ان تین کے علاوہ 7 اور بھی ہیں (جن کے گرد علم گردش کرتا ہے): اوزاعی، سفیان ثوری، معمر، ابوحنیفہ، شعبہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ رحمہم اللہ

ابویعلی خلیلی فرماتے ہیں: لیث اپنے زمانے کے یکتا امام تھے۔

ابنِ حبان کہتے ہیں: فقہ میں، علم میں، حافظے میں، فضل میں، کرم اور سخاوت میں، گویا ہر صفت میں اپنے زمانے کے سرداروں میں سے تھے۔

حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں: "إِنَّ عِلْمَ التَّابِعِينَ فِي مِصْرَ تَنَاهَى إِلَى اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ"

مصر میں تابعین کے تمام علوم لیث بن سعد پر جا کر ختم ہوتے ہیں، جڑتے ہیں۔

سیر اعلام النبلاء: 8/94)

امام ذہبی یہ بھی فرماتے ہیں: ان کے فضائل بے شمار ہیں، کئی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، درحقیقت وہ ایسے انسان تھے کہ اس پورے خطے کو جس کے یہ باشندے تھے، ان پر بجا طور پر فخر تھا۔

اشہب بن عبدالعزیز کہتے ہیں: دن بھر میں ان کی چار مجالس ہوتی تھیں۔

1. سرکاری معاملات میں مشاورت کے لیے سلطان کے نائب آتے تھے اور ان سے رہنمائی حاصل کرتے تھے، بالخصوص مصر کے والی اور قاضی کثرت سے حاضرِ خدمت ہوتے اور کوئی بھی اہم فیصلہ ان کے مشورہ کے بغیر نہیں کرتے اور اس معاملہ میں لیث بن سعد بھی بہت کڑی نگاہ رکھتے تھے، چناں چہ اگر اہلِ اقتدار طبقہ میں کوئی غیر شرعی اقدام کوئی بات خلافِ شریعت دیکھتے تو بلا جھجک نکیر فرماتے اور متعلقہ شعبہ کے لوگ اس کی اصلاح کر لیتے، اگر کسی معاملہ میں کوئی قاضی یا حاکم، امیر پس و پیش کرتا تو لیث بن سعدؒ سلطان، خلیفۂ وقت کو خط لکھے را اور خلیفہ اس قاضی یا امیر کو معزول کر دیتا۔
2. دوسری مجلس احادیثِ رسول ﷺ کی ہوتی جس میں دور دراز سے آ کر طلبا شریک ہوتے اور احادیث نبویہ ﷺ کی روایات سنتے۔
3. شرعی مسائل اور فتاویٰ کی نشست ہوتی، جس میں لوگ آ کر مسائل پوچھتے۔
4. لوگ اپنی مختلف ضرورتوں اور حاجتوں کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور لیث بن سعدؒ ہر ایک کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش فرماتے۔

بلند علمی مقام کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے لیثؒ کو مال و دولت سے بھی خوب نوازا تھا، ان کی ملکیت میں کئی زمینیں تھیں، جس سے سالانہ ہزاروں دینار کی آمدن تھی۔ اس کے علاوہ خلفا بھی ان کے لیے ہدایات بھجواتے رہتے تھے۔

لیکن لیثؒ کی فیاضی اور سخاوت بے مثال تھی، خرچ کرنے میں ایسی شاہانہ شان رکھتے تھے کہ بادشاہ بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکیں اور خود اپنی زندگی انتہائی سادہ اور زاہدانہ گزارتے تھے۔

ان کی طرف سے سارا سال لوگوں کے لیے عمومی لنگر لگتا تھا، جیسے بادشاہوں کے درباروں میں لگتا ہے۔ سردی کے دنوں میں شہد اور گائے کے دودھ کے گھی کا حلوہ تقسیم ہوتا تھا اور گرمیوں میں بادام اور شکر کے ستو کی سبیل لگتی تھی اور خود ان کی خوراک یہ تھی کہ تیل کے ساتھ روٹی نوش فرماتے تھے۔

حالاں کہ قلقشندی لکھتے ہیں کہ لیث بن سعد کی ایک زمین ہارون الرشید کی رہائش گاہ کے قریب تھی، اس سے سالانہ آمدنی 50 ہزار دینار تھی، لیکن جود و کرم اور سخاوت کا یہ عالم تھا کہ پوری زندگی میں کبھی زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی کہ سال آتا تو تھا، لیکن وہ سال بھر کے لیے پاس رہتا ہی نہیں تھا کہ اس میں زکوٰۃ فرض ہو، بلکہ بسا اوقات تو سال کے آخر میں خود مقروض ہوتے تھے۔

ایک عورت آئی اور کہا: میرا بیٹا بیمار ہے، اس کو شہد کھلانا ہے۔ انھوں نے خادم سے کہا: اس عورت کو ایک "مرط" شہد دے دو (مرط ایک پیمانہ جس میں 120 رِطل ہوتے ہیں، کلو کے حساب سے ایک مرط تقریباً پچپن کلو بنتا ہے) خادم نے دے دیا، وہ لے کر چلی گئی۔

کسی نے پوچھا: اس نے تو تھوڑا سا ہی مانگا تھا، آپ نے اتنا سارا کیوں دے دیا؟ فرمانے لگے: اس نے اپنی حیثیت سے مانگا میں نے اپنی حیثیت سے دے دیا۔

اہلِ علم حضرات کو خصوصی طور پر تحائف اور ہدایا بھجواتے تھے، بالخصوص امام مالکؒ کو چناں چہ ہر سال سو دینار تو اہتمام سے امام مالکؒ کی خدمت میں پیش کرتے، مختلف اوقات اور حالات میں اس کے علاوہ بھی ارسال کرتے تھے، چناں چہ ایک دفعہ امام مالکؒ نے لیث بن سعد کو لکھا: میرے ذمہ کچھ قرض ہے تو انواں نے فوراً پانچ سو دینار کا نذرانہ ان کی خدمت میں روانہ کیا۔

عبداللہ بن وہب کہتے ہیں: امام مالکؒ نے لیث بن سعدؒ کو خط لکھا: مجھے اپنی بیٹی کی رخصتی کرنی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ تھوڑی مقدار میں "عصفر" بھیجیں (عصفر ایک قسم کا رنگ ہوتا تھا جو شادی کے موقع پر کپڑوں اور بدن پر استعمال کیا جاتا تھا)

لیث نے 30 حمل (کئی من) عصفر بھیج دیا، چناں چہ استعمال کے لیے علیحدہ کرنے کے بعد بھی اس میں سے اتنا بچا کہ پانچ سو دینار کا فروخت ہوا جو علیحدہ کیا تھا، وہ بھی پورا استعمال نہیں ہوا۔

بروز جمعہ 15 شعبان 175 ہجری کو مصر میں انتقال فرمایا۔ خلیفہ ہارون الرشید کا زمانہ تھا۔ نمازِ جنازہ موسیٰ بن عیسیٰ ہاشمی نے پڑھایا جو کہ ہارون الرشید کی طرف سے مصرف کا امیر تھا۔

نمازِ جنازہ میں بہت ہجوم تھا۔ پورا مصر اُمڈ آیا تھا۔ ہر ایک غمگین تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ ہر انسان سوگوار تھا، لوگ ایک دوسرے کو تسلی دے رہے تھے۔

خالد بن عبدالسلام صدفی کہتے ہیں: میں اپنے والد کے ساتھ لیث بن سعدؒ کے جنازہ میں شریک ہوا، میں نے اس سے بڑا جنازہ کبھی نہیں دیکھا، ہر ایک غمگین نظر آ رہا تھا، سب ہی رو رہے تھے اور ایک دوسرے سے تعزیت کر رہے تھے۔ میں نے کہا: ابا جان! ایسا لگتا ہے جیسے ہر شخص ہی اس جنازہ کے ساتھ آیا ہوا ہو (ہر ایک ایسے رو رہا ہے جیسے اس کے کسی قریبی عزیز کا جنازہ ہے) انھوں نے کہا: ہاں بیٹا! لیکن ایسا جنازہ تُو کبھی نہیں دیکھے گا۔

قدرتی وسائل کی حفاظت

رابعہ فاطمہ

آخری حصہ

حالاتِ جنگ میں اسلامی نقطۂ نظر: کفار و مشرکین اسلام پر بطورِ طعن یہ الزام لگاتے ہیں کہ اسلام جنگ وجدل کا مذہب ہے۔ یہ بات یک سر طور پر غلط ہے۔ جہاد کے معاملات اور اس میں قائم کردہ حدود کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام سے زیادہ پُرامن دین کوئی نہیں ہے۔ اسلام نہ صرف بلاوجہ جنگ کی ممانعت فرماتا ہے، بلکہ اپنے سوئے ہوئے دشمن پر بھی حملہ کرنے سے روکتا ہے۔ اسلام نہ صرف بچوں اور بوڑھوں کی حفاظت کی ترغیب دیتا ہے، بلکہ عورتوں کی عصمت دری سے بھی روکتا ہے۔ اسلام نہ صرف اپنے سپاہیوں کو شہروں کو اجاڑنے سے روکتا ہے بلکہ یہ بھی ترغیب دیتا ہے کہ اس شہر میں لگے جنگلات کو نہ جلاؤ۔ آپ ﷺ کی سیرت کا عمیق مطالعہ رکھنے والا یہ بات جانتا ہے کہ مؤرّخین نے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو امن وآشتی کا مظہر بتایا، وجہ کیا تھی؟ وجہ صاف ظاہر تھی کہ اگر نبیٔ مکرّم ﷺ بروقت موثّر اقدامات نہ فرماتے، جغرافیائی صورتِ حال سے واقف نہ ہوتے تو کیا اسلام کے دامن میں صحابۂ کرام جیسی جری، بہادر اور رحم دل شخصیات نمو پاتیں؟ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات ہی تھیں، جن کی بدولت دنیا میں موجود انمول خزائن کی قدر کی جانے لگیں۔ جہاد کے باوجود قلیل جانی نقصانات کا سامنا رہا۔ گھروں اور درختوں کو جلانے کے حوالے سے صحیح بخاری کی کتاب ''الجھاد والسّیر'' میں یہ حدیث درج ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا مجھے ذوالخلصہ سے راحت نہیں پہنچائے گا اور یہ بنی خثعم میں ایک گھر تھا، جسے ''کعبۃ الیمانیہ'' کہا جاتا تھا، چناں چہ میں احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کی معیت لے کر چل پڑا اور یہ اصحاب گھوڑوں کے اوپر سوار تھے اور میں گھوڑے پر نہ بیٹھ سکتا تھا تو آپ ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا حتی کہ میں نے مقدّس انگلیوں کے نشان کو اپنے سینے کے پیوست دیکھا اور دعا فرمائی: ''اے اللہ عزّوجل! اسے گھوڑے کی پشت پر ثابت رکھ دے اور اسے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے۔'' چناں چہ انوں نے وہاں پر جا کر اس کو توڑ ڈالا اور جلا ڈالا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہِ مقدّسہ میں کسی شخص کو خبر دینے کے لیے روانہ کیا تو حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاصد نے عرض کیا: ''اس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میں آپ ﷺ کی بارگاہِ مقدّسہ میں ایسے وقت آیا ہوں کہ میں نے ذی الخلصہ کو دیکھا کہ وہ کھوکھلے یا خارش میں مبتلا ہونے والے اونٹ کی مانند ہوگیا۔ راوی نے کہا کہ آپ ﷺ نے قبیلۂ احمس کے لیے دعا فرمائی: ''اے اللہ! احمس کے سواروں اور پیادہ پا والوں میں برکت فرمادے۔'' یہ پانچ بار فرمایا۔

آج سائنسی دنیا کے ماہرین و مفکرین سے سوال ہے کہ کیا ایسی تعلیمات اور ایسا کریمانہ سلوک کہیں اور نظر آتا ہے۔ رحمتِ کائنات ﷺ نے اپنی فوجوں کو کھیت اجاڑنے سے منع فرمایا، درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا، کنوؤں میں زہر ملانے سے سختی سے منع فرمایا۔

خاتم النّبیّین جلد دوم صفحہ نمبر 585 میں درج ہے:

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ اپنے لشکر کو نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ وہ سرسبز کھیتوں کو برباد نہ کریں، درختوں کو نہ کاٹیں، کم زور بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کریں، ان مردوں کو بھی قتل نہ کریں جو جنگ کے سلسلے میں کوئی رائے نہیں دیتے اور کسی طرح جنگ میں شرکت نہیں کرتے۔''

معلوم ہوا کہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے جنگ جیسے خوف ناک لمحات کو بھی رحم وکرم میں ڈھال کر پیش کیا۔

تاریخِ اسلام سے جنگ وتشدد کے متعلق امثال کا جائزہ: غزوۂ خیبر میں جب خیبر کو رسول اللہ ﷺ بطورِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو آپ نے خیبر کو اپنی اصلی حالت پر برقرار رکھا۔ اس کا ذکر طحاوی کی کتاب الجھاد میں یوں ملتا ہے: ''ابوزبیر نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے خیبر بطورِ غنیمت عنایت فرمایا تو نبیٔ مکرّم ﷺ نے ان کو پہلی حالت پر برقرار رکھا اور اس کو اپنے اور ان کے مابین برقرار رکھا، پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تو انوں نے پھل اور کھیتی کا اندازہ لگایا۔''

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کے جنگلات اور ماحولیات کو نقصان نہیں پہنچایا، نہ ہی املاک کو آگ لگائی بلکہ اس کا جغرافیائی حال معلوم کر کے منصفانہ تقسیم فرمائی۔ آپ ﷺ نے جمادات کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا۔ سنن ابوداؤد کی کتاب الجھاد میں یہ حدیث درج ہے: ''عبدالرحمن بن عبداللہ نے اپنے والدِ محترم سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیّت میں کسی سفر پر تھے، چناں چہ آپ ﷺ رفعِ حاجت کے لیے گئے تو ہم نے ایک چڑیا کو دیکھا جس کے پاس دو بچے تھے تو ہم نے ان کے بچوں کو پکڑ لیا، پس چڑیا پروں کو پھیلانے لگی۔ نبی کریم تشریف لائے تو ارشاد فرمایا: کس نے اس کے بچوں کی بنا پر پریشان کیا ہے؟ اس کے بچوں کو واپس کرو اور آپ ﷺ نے چونٹیوں کے ایک قریے کو ملاحظہ فرمایا جسے ہم نے جلا دیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کس نے اس کو جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا: ہم نے، چناں چہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آگ کا عذاب دینا، سوائے ربِّ تعالیٰ کے کسی کو لائق نہیں۔''

اس حدیث شریف سے صاف ظاہر ہوتا ہے، جس طرح نباتات کو نقصان پہنچانا گناہ ہے، اسی طرح جمادات کو اذیت دینا بھی گناہ ہے۔

پانی کی قدر و قیمت کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب ہارون الرشید پند و نصائح طلب کرنے کے لیے حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو شفیق بلخی نے پوچھا: کیا خلیفہ بے آب وگیاہ صحرا میں گھِر کر اور پیاس کی شدّت سے مغلوب ہو کر ایک گھونٹ پانی کے بدلے آدھی سلطنت سے دست بردار ہونے کو تیار ہے؟ تو ہارون الرشید نے بِلا تامّل جواب دیا: ہاں!

معلوم ہوا کہ پانی ایک ایسی عظیم نعمت ہے، جس کے قطرے کے لیے آدھی سلطنت بھی قربان کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح سلطان محمد فاتح نے جب فاتح کے طور پر قسطنطنیہ میں قدم رکھا تو اس کے املاک کو نہیں جلایا، بلکہ جو جگہ جس کی ملکیت تھی، اسے اس کی ملکیت میں رہنے دیا، یہاں تک کہ آیا صوفیہ کو خرید کر گرجا گھر سے مسجد میں ڈھالا۔ بزورِ شمشیر اس جگہ پر قبضہ نہیں کیا۔

جنگ وتشدد کے باعث فضائی اور زمینی آلودگی: خوش حالی کی دوڑ نے حضرتِ انسان سے اس کا سکون بھی چھین لیا، جس طرح قدرتی نظائر جنگ وتشدّد کی نظر ہوتے جارہے ہیں، وہیں قدرت کا دل فریب ترنّم بھی کانوں کو اب کم ہی سنائی دیتا ہے، چڑیوں کی چہچہاٹ کی جگہ الارم گھڑی کی گھنٹی نے لے لی اور ہواؤں کی سرسراہٹ کی جگہ گاڑیوں کے انجنوں نے لے لی۔ غرض کہ شوروغل کا وہ عالم ہے کہ کہیں سکون نہیں ملتا۔ رہی سہی کسر جنگ و تشدّد نے پوری کر دی۔ فائرنگ کی آوازیں، گولہ بارود کے چلنے کی آوازیں، فضائی اور زمین آلودگی کا سبب بن رہے ہیں۔ سورۃ الفرقان میں ہوا کے حوالے سے ارشاد ہوتا ہے: ''وہی ہے جس نے ہوائیں بھیجیں رحمت کا مژدہ سنا کر۔'' قرآن میں ہوا کو رحمت کا مژدہ سنانے والی فرمایا، لیکن انسان اسے اپنے ہی ہاتھوں سے آلودہ کر رہا ہے۔

جنگ کے دوران ہونے والا بارودی مواد جہاں فضا کو آلودہ کر رہا ہے، وہیں گلوبل وارمنگ کا سبب بھی بنتا جارہا ہے۔ جنگلات کے تباہ ہونے کے باعث زمین کا درجۂ حرارت بڑھتا جارہا ہے۔ یہی وہ وقت ہے، ہمیں اس پر متحد ہو کر کام کرنا پڑے گا، تاکہ دنیا گلوبل وارمنگ جیسے مسئلے سے نبرد آزما ہوسکے۔

خلاصہ: انسان اپنی زندگی کو آسانیوں میں ڈھالنے کی تگ ودو میں خود کو تباہی کے دہانے پر لے آیا ہے۔ اس پر قابو پانے کا آسان ترین حل اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر حفاظتی اقدامات کرنا ہے۔ اسلام نے ماحولیات کی حفاظت اور اس کی اہمیت کو ہم پر واضح کر دیا، تاکہ ہم آلودگی جیسے سنگین مسائل پر بروقت قابو پاسکیں۔ آج جس طرح سے فضائی آلودگی اور زمینی میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے، ممکن ہے اس کے سبب زمین کا درجۂ حرارت متوازن نہ رہے۔ گلوبل وارمنگ کے سبب قطبین جمی برف پگھلنے کا اندیشہ ہے اور ایک سروے کے مطابق اگر یہ برف مکمل طور پر پگھل گئی تو سمندر دو سو فٹ بَلند سطح پر پہنچ جائے گا، جسکے سبب ممکن ہے دنیا کو دوسری بار طوفانِ نوح کا سامنا کرنا پڑے۔ جنگ و جدل میں استعمال ہونے والے آگ کے شعلے اور بارود بھی گلوبل وارمنگ کی وجہ بن رہے ہیں۔ جنگلات کو مکانات کو اسرائیلی فوج نے غزہ میں، فلسطین میں، لبنان وغیرہ میں برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ امن کے داعی امن کے خلاف محاذ آرائی کرتے نظر آرہے ہیں۔ ان حالات میں دیگر ممالک کے مسلمانوں کو یک جا ہو کر اسلامی تعلیمات کے لیے اپنی خدمات پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ انسان کو اب فطرت سے قریب ہونا پڑے گا، ورنہ نتائج بے حد خوف ناک ہوں گے۔

ضباعہ بنت الزبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن

ندا اختر

زبیر بن عبدالمطلب بن ہاشم بنی ہاشم کے شاعر تھے، ان کی عاتکہ بنتِ ابی وھب المخز ومیہ سے صرف دو بیٹیاں تھیں۔ ضباعہ اور ان کی بہن اُمُّ الحکم۔

حضرت ضباعہ اور ان کے شوہر کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام کی روشنی میں داخل ہوگئے۔

حضرت ضباعہ بنت الزبیر کہتی ہیں۔ سب سے پہلے اپنا اسلام ظاہر کرنے والے سات تھے۔ رسول ﷺ، ابوبکرؓ، عمار بن یاسرؓ اور ان کی والدہ سمیہؓ، صہیب رومیؓ بلال بن رباح اور مقداد بن عمرو۔ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے ان کے چچا ابو طالب کے ذریعہ فرمائی، جب کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حفاظت ان کی قوم کے ذریعہ فرمائی اور رہے باقی لوگ تو ان کو مشرکین نے لے جا کر لوہے کی ذِرہ پہنا کر سورج کے نیچے پگھلنے کے لیے چھوڑ دیا۔ مقداد بن عمرو نے بھی اپنے حصے کی آزمائش بھگتی، مگر ایمان کی حلاوت چکھنے کے بعد وہ کفر کی طرف دوبارہ نہیں لوٹے۔

ضباعہ بنت الزبیر کہتی ہیں، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ

''ہر نبی کو 7 شرفاء، وزراء اور رفیق ملے۔۔۔اور مجھے 14 عطا کیے گئے۔

حمزہ، جعفر، ابوبکر، عمر، علی، حسن، حسین، عبداللہ بن مسعود، سلمان، عمار، حذیفہ، ابوذر، بلال اور مقداد۔''

مقداد بن عمرو ایک نہایت بہادر شہ سوار تھے اور سب سے پہلے اللہ کی راہ میں اپنا گھوڑا دوڑانے والے بھی وہی تھے اور جنگِ بدر کے موقع پر ان کی بہادری کے کارنامے ناقابلِ فراموش ہیں۔

ایک روز حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اپنی بیوی ضباعہ بنتِ زبیرؓ کو رسول اللہ ﷺ کے مستقر لے کر گئے تو انھوں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

''فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً'' (النور:61)

اور جب گھروں میں جایا کرو تو اپنے (گھر والوں) کو سلام کیا کرو (یہ) خدا کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔

تو ضباعہ اپنے شوہر سے کہنے لگیں: ''میں کیا کہوں؟''

تو مقداد بن عمروؓ بولے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور اللہ کا نام لو، کیوں کہ تم میں سے جب کوئی بھی اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے سلام کرتا ہے اور اپنے کھانے پر اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے تم لوگوں کا یہاں پر نہ کھانا ہے نہ بسیرا۔۔۔ جبکہ تم میں سے کوئی اگر بغیر سلام کیے گھر میں داخل ہوتا ہے اور اپنے کھانے پر اللہ کا نام نہیں لیتا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے تمہیں یہاں پر کھانا بھی مل گیا اور رات بسر کرنے کی جگہ بھی۔۔۔'' تو ضباعہ بنت زبیر کہنے لگیں۔

''ہر گھر میں داخل ہوتے ہوئے یہ کرنا چاہیے؟''

تو مقداد بن عمروؓ بولے: ''ہر گھر میں داخل ہوتے ہوئے یہ کرنا چاہیے اور اگر کسی گھر میں مسلمان مسکین ہو تو یہ کہے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' اور اگر اس گھر میں کوئی نہ رہتا ہو تو کہے سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر اور اگر گھر میں کوئی غیر مسلم رہتا ہو تو کہے سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت پائی۔''

ضباعہ بنتِ زبیر رضی اللہ عنہا کے یہاں مقداد رضی اللہ عنہ کے دو بچوں کی ولادت ہوئی، عبداللہ اور کریمۃ۔۔۔

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

اپنی جگہ دوسرے سے ڈیوٹی کروانا

سوال: اگر کوئی شخص اسکول میں کسی دوسرے استاد کی جگہ ڈیوٹی کرتا ہو اور وہ دوسرا استاد اپنی تنخواہ کا کچھ حصہ پڑھانے والے کو دیتا ہے اور اسکول کے مالک کو اس معاملے کی خبر نہ ہو، آیا اس استاد کا تنخواہ لینا اور پڑھانے والے کو اس تنخواہ کا کچھ حصہ دینا حلال ہے؟

جواب: سرکاری اور پرائیویٹ دونوں اداروں میں یہ شرط ہوتی ہے کہ یہی متعین استاد ہی پڑھائے گا، کوئی اور نہیں، لہذا اپنی جگہ کسی اور کو پڑھانے کے لیے بھیجنا درست نہیں، نیز اس صورت میں عموماً حاضری رجسٹر میں اپنے آپ کو حاضر لکھوا کر تنخواہ لی جاتی ہے، لہذا اس میں جھوٹ اور دھوکے کا گناہ بھی ہے، نیز جتنے دنوں یہ خود نہیں گیا اور پھر جھوٹ کی حاضری کی بنیاد پر تنخواہ لی ہے، وہ بھی اس کے لیے جائز نہیں، متعلقہ ادارے کو واپس کرنا ضروری ہے اور دوسرے جس شخص کو اسکول بھیجا ہے، اس سے جتنا طے کیا ہے، اتنا اپنے حلال مال سے ادا کرنا لازم ہوگا۔ حرام تنخواہ سے ادائیگی جائز نہیں۔

شیئرز کا کاروبار جائز ہونے کی شرائط

سوال: اسٹاک مارکیٹ میں شیئرز کا کاروبار کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اسٹاک مارکیٹ میں شیئرز کی خرید وفروخت میں اگر مندرجہ ذیل شرائط کا لحاظ رکھا جاتا ہو تو جائز ہے، ورنہ نہیں:

1. جس کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کی جا رہی ہو، خارج میں اس کمپنی کا وجود ہو، صرف کاغذی طور پر رجسٹرڈ نہ ہو۔
2. اس کمپنی کے کل اثاثے صرف نقد کی شکل میں نہ ہوں، بلکہ اس کمپنی کی ملکیت میں جامد اثاثے بھی موجود ہوں۔
3. کمپنی کا سرمایہ حلال ہو۔
4. کمپنی کا کاروبار جائز ہو، حرام اشیا کے کاروبار پر مشتمل نہ ہو۔
5. شیئرز کی خرید وفروخت میں، خرید وفروخت کی تمام شرائط کی پابندی ہو۔ (مثلاً: شیئرز خریدنے کے بعد CDC میں اس کے نام پر آجائے، اس کے بعد انھیں آگے فروخت کیا جائے، CDC میں خریدار کے نام پر آنے سے پہلے شیئرز آگے فروخت کرنا جائز نہیں D ہوگا، اسی طرح فرضی خرید وفروخت نہ کی جائے۔
6. حاصل شدہ پورا منافع شیئرز ہولڈرز میں تقسیم کیا جاتا ہو، (احتیاطی) ریزرو کے طور پر نفع کا کچھ حصہ محفوظ نہ کیا جائے۔
7. شیئرز کی خرید وفروخت کے دوران بالواسطہ یا بلاواسطہ سود اور جوئے کے کسی معاہدے کا حصہ بننے سے احتراز کیا جائے۔

مذکورہ بالا شرائط کی رعایت کرتے ہوئے اگر شیئرز کا کاروبار کیا جائے تو جائز ہوگا، ورنہ یہ کاروبار جائز نہیں ہوگا۔ بہرصورت بہتر یہی ہے کہ اس کاروبار سے اجتناب کیا جائے، اس لیے کہ مارکیٹ میں ان تمام شرائط کے ساتھ شیئرز کا کاروبار بہت مشکل ہے، اس لیے اجتناب کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

لاٹریوں کا شرعی حکم

سوال: دنیا بھر میں لاٹری کی بہت سی شکلیں رائج ہیں، جن میں مشترکہ بات یہ ہوتی ہے کہ ایک آدمی اپنا مال ایک غیر یقینی واقعے

بیٹی کا گھر بسانے میں ماں کا اہم کردار

حکیم شمیم احمد

ایک بچی جو والدین کی بڑی چہیتی تھی، بیاہ کر سسرال گئی۔ چند دنوں بعد اپنی ماں سے شکایت کرنے لگی کہ میری ساس مجھ پر توجہ نہیں دیتیں، نندیں میرا خیال نہیں رکھتیں، شوہر بھی ان ہی کی بولی بولتا ہے، اصل بات یہ تھی کہ یہ بچی بہت حساس طبیعت کی مالک تھی اور اس میں صبر وتحمل نہیں تھا اور شروع سے نازوں میں پلی بڑھی تھی اور وہ اپنا یہ ذہن بنا کر سسرال آئی تھی کہ مجھے میرا شوہر آنکھوں پر بٹھائے گا اور میری ہر خواہش پوری کرے گا، اگر اس نے سخت لہجے میں کوئی بات کی بھی تو ساس میری طرف داری کرے گی۔ چناں چہ جب اس کی سوچ کے مطابق اس کو سسرال نہیں ملا تو وہ اندر ہی اندر گھٹتی اور دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اپنی ماں کو رو رو کر اپنی بپتا سناتی۔

بعض لڑکیاں بڑی سمجھ دار ہوتی ہیں، چند دنوں میں سسرال والوں کا مزاج سمجھ کر ان کے مطابق خود کو ڈھال لیتی ہیں، اپنی خوش اخلاقی اور بہترین رویے سے شوہر کا دل اپنی مٹھی میں لے لیتی ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ساس کی خدمت کرتی ہیں، رات کو سر میں تیل ڈالتی ہیں، جب ساس کچن میں کھانا پکانے جائیں تو کہتی ہیں: ''امی! آپ نے زندگی بھر کھانا پکا کر کھلایا ہے، اب میں سب کو اپنے ہاتھوں سے کھانا پکا کر کھلاؤں گی۔ آپ آرام کریں، اب آپ کے آرام کے دن ہیں اور سسر کو علی الصباح اٹھ کر سلام کرتی اور کہتی ہیں: ''ابو! آپ ناشتے میں کیا پسند کرتے ہیں؟ آپ کے لیے بھی بہترین ناشتا تیار کر کے لاتی ہوں اور یوں وہ سب کے دلوں پر راج کرتی ہیں۔

یہ بچی جو اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی اور ماں نے بڑے لاڈ سے رکھا تھا، ان آداب سے ناواقف تھی لیکن اس کی ماں جہاں دیدہ اور بہت سمجھ دار تھی، اس لیے جب بیٹی نے رو رو کر اپنی ماں کو بپتا سنائی اور کہا کہ ایسے شوہر کا تو مر جانا ہی بہتر ہے، جب وہ میری دل جوئی کرتا ہے، نہ ہی کوئی میری بات سنتا ہے۔ ماں نے کہا: اگر تو اپنے شوہر کو مارنا چاہتی ہے تو میں تجھے زہر کی چند پڑیاں دے دیتی ہوں، تم کھانے میں روز ایک پڑیا ملا کر دیتی رہنا، لیکن اس میں خطرہ ہے جب شوہر مر جائے گا، زہر کے اثرات جسم پر ظاہر ہوں گے۔ اس لیے اس کا پوسٹ مارٹم کروایا جائے گا، اس طرح سب کو پتا چل جائے گا کہ اس کی موت زہر دینے سے واقع ہوئی ہے، ظاہر ہے سب لوگ تجھ پر ہی شک کریں گے اور اس کی وجہ تمہاری ان کی ان بن ہوگی، اس طرح تجھے پولیس گرفتار کر کے لے جائے گی۔ اس لیے میرا مشورہ مان لے تو اپنی ساس اور اپنی بھاوجوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک رکھ، ان کی ضرورتوں کا خیال رکھ، انہیں اپنی مٹھی میں لے لے تاکہ تیرے شوہر کے مرنے کے بعد ان کو تیرے اوپر ذرا بھی شک نہ ہونے پائے کہ تو نے اسے زہر دیا ہے۔ بیٹی کی سمجھ میں بات آگئی اور اس نے ماں کے مشورے پر عمل کرنا شروع کر دیا، یوں سسرال میں اس کی ہر طرف تعریف ہونے لگی کہ ہماری بہو تو مثالی بہو ہے، اب شوہر بھی اس پر جان چھڑکنے لگا۔

ایک دن وہ اپنی ماں کے پاس پہلے سے زیادہ روتی ہوئی آئی اور کہنے لگی: میرا شوہر تو مجھ سے بہت محبت کرنے لگا ہے، سسرال میں باقی سب بھی میرا بہت خیال رکھنے لگے ہیں، اب میں اپنے شوہر کو مرتا نہیں دیکھ سکتی، آپ کی دی ہوئی ایک پڑیا روزانہ میں شوہر کے کھانے میں شامل کرتی رہی ہوں، ظاہر ہے اس زہر سے شوہر کی موت ہو جائے گی اور میں اب ایسا نہیں چاہتی۔ ماں نے کہا کہ تو پریشان نہ ہو، میں نے زہر کی پڑیا تھوڑی دی تھی وہ تو ہاضمے کے چورن کی پڑیائیں تھیں۔ چوں کہ نفرتوں کا زہر تیرے اندر بھرا ہوا تھا اور اس کو نکالنے کے لیے میں نے اس حکمت عملی سے کام لیا۔ یہ سن کر بیٹی کو اطمینان بھی ہوا اور اپنی ماں کی سمجھ داری کا احساس بھی، ماں کی شکر گزار ہوئی۔ کاش! ہر ماں اپنی بیٹیوں کا گھر بسانے کے لیے ایسا اہم کردار ادا کرے تاکہ بیٹیوں کے گھر ٹوٹنے سے اور اجڑنے سے محفوظ ہو جائیں۔

کی بنیاد پر اس طرح داؤ پر لگاتا ہے کہ اگر جیت گیا تو زیادہ مال ہاتھ آئے گا، لیکن ہارنے کی صورت میں وہ اس مال سے بھی محروم ہو جائے گا۔ لاٹری چاہے چھوٹی سطح کی ہو یا بڑی سطح کی، سب میں یہ بات مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ آیا اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: واضح رہے کہ شریعت کی نظر میں جو جوا اور قمار حرام ہے، اس کی حقیقت بھی یہی ہے، جس کی مزید تفصیل حضرات اہلِ علم سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ اس لیے لاٹری کی جو بھی صورت قمار اور جوے کی اس تعریف میں شامل ہو جائے، وہ بھی حرام ہوگی۔

لاٹری کے شرعی حکم سے متعلق تفصیل

1. لاٹری واضح طور پر جوے اور قمار کے حکم میں ہے، کیوں کہ اس پر جوے اور قمار کی حقیقت پوری طرح صادق آتی ہے، اس وجہ سے یہ حرام اور سنگین گناہ ہے۔
2. لاٹری جیتنے کی صورت میں ملنے والا انعام واضح طور پر حرام ہے۔
3. دکاندار کو لاٹری سے جو نفع حاصل ہوتا ہے، وہ بھی حرام ہے، اس لیے دکانداروں کو بھی اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔
4. آجکل بہت سے دکاندار بچوں کی لاٹریوں کا کاروبار کرتے ہیں، سو یہ بھی جوے اور قمار کے حکم میں ہونے کی وجہ سے واضح طور پر حرام ہیں۔ اس لیے دکانداروں پر شرعاً واجب ہے کہ وہ اس سے اجتناب کریں اور والدین کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو ان لاٹریوں سے مکمل طور پر منع کر دیں۔

ایزی لوڈ کا کاروبار

سوال: Easy load کا کاروبار کرنا کیسا ہے؟ اگر کسی نے نمبر خود غلط بتایا اور بیلنس ڈال دیا تو اب اسکا ذمہ دار کون ہوگا؟

جواب: ایزی لوڈ کا کاروبار کرنا جائز ہے اگر گاہک نے صحیح نمبر بتایا تھا اور دوکاندار کی غلطی سے بیلنس غلط نمبر پر گیا ہے تو دکاندار ضامن ہوگا، اور اگر گاہک کے غلط نمبر بتانے کی وجہ سے دکاندار نے غلط جگہ لوڈ کیا ہے تو ایسی صورت میں دوکاندار کا ذمہ فارغ ہوگیا ہے اور گاہک کے ذمہ لازم ہے کہ وہ دکاندار کو اتنی رقم دیدے۔

خوبصورت آداب

مبین بنت اعجاز

''آئمہ! تم یہ تحائف والا بیگ تھام لو، میں کیک پکڑ لیتی ہوں۔'' عنائیہ نے کہتے ہوئے اپنا پلاسٹک بیگ تھام لیا۔ آئمہ اس وقت عنائیہ کے گھر پر تھی، وہ دونوں مل کر اپنی تیسری سہیلی کے اچھے نتائج پر مبارک باد دینے اس کے گھر جا رہی تھیں۔

''مریم! کس قدر خوش ہوگی ہمارے اچانک سرپرائز پر۔۔۔'' عنائیہ نے خوش ہوتے کہا۔

''بالکل، وہ بہت خوش ہوگی اور آج مل کر خوب تفریح کریں گے۔'' آئمہ بھی جواباً پرجوش ہوئی۔

''ٹھک ٹھک۔'' ایک دفعہ پھر سے آئمہ کے ہتھوڑا نما ہاتھوں نے دروازہ ہلا دیا۔

''اف آہستہ۔۔۔'' عنائیہ نے دبی سرگوشی کی تو آئمہ نے فوراً ہاتھ ہٹا لیا۔ اسے شرمندگی ہوئی، وہ اسی طرح کھٹکھٹانے کی عادی تھی، کچھ ہی دیر میں دروازہ کھلا اور مریم کی چھوٹی بہن کا چہرہ نمودار ہوا۔

''مریم ہے گھر پر۔۔۔؟'' آئمہ نے پوچھا اس نے سر اثبات میں ہلایا تو آئمہ فوراً عنائیہ کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہوگئی، جب کہ وہ بچی دروازے پر ہی کھڑی رہ گئی۔ گھر میں عجیب سی خاموشی تھی، لیکن دائیں طرف بنے کمرے سے دھیمی آواز سنائی دے رہی تھی، وہ دونوں اسی جانب آگئیں، تیزی سے چلتے ان کے قدم اچانک دہلیز پر تھم سے گئے، سامنے کا منظر ان کی توقعات کے برعکس تھا۔ مریم کی دادو پلنگ پر نڈھال سی لیٹیں بہت کم زور اور بیمار لگ رہی تھیں اور وہ پاس بیٹھی قرآن کی تلاوت کر رہی تھی، گالوں پر آنسو بہ رہے تھے، اچانک اس کی نگاہ ان پر پڑی تو وہ آنسو پونچھتی حیرت زدہ ہوئی۔

''تم لوگ۔۔۔ آؤ اندر آؤ۔'' وہ بدقت مسکرائی، دونوں نے ہاتھ میں پکڑے بیگ ایک جانب رکھ دیے اور حیرانی میں آگے بڑھیں۔

''کیا ہوا ہے۔۔۔ تمہاری دادو ٹھیک ہیں؟''

''ابھی ٹھیک نہیں ہیں۔۔۔ بس طبیعت کبھی کبھار زیادہ بگڑ جاتی ہے تو مجھ سے قرآن پڑھنے کا۔۔۔ یہ پکڑنا پلیز!'' اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی، وہ قرآن عنائیہ کے ہاتھ میں دیتی آگے بڑھی کیوں کہ دادو کی گردن تکیے سے نیچے ڈھلک رہی تھی، اس نے آگے بڑھ کر ان کا سر تکیے پر رکھا، انھوں نے نیم وا آنکھیں کھول کر دیکھا اور شاید پانی مانگا تھا۔ مریم ان کو بٹھاتی پانی لینے چلی گئی۔ ان دونوں نے افسوس سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا، انھیں آنے سے پہلے مریم سے اجازت لے لینا چاہیے تھی، بعض اوقات سرپرائز محض ایک حماقت بن کر رہ جاتے ہیں۔ عنائیہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے سر جھٹکا اور ہاتھ میں مضبوطی سے تھام رکھے قرآن کو کھول کر دیکھنے لگی:

سورۃ النور۔۔۔ سب سے اوپر بائیں طرف خطِ نسخ میں سورت کا نام واضح تھا، وہ یوں ہی ترجمہ کی سطور پر نگاہ دوڑانے لگی، مریم اپنی دادو کے لیے پانی لیے اندر آئی تو ان دونوں نے فوراً نظریں اٹھائیں، وہ ہلکا سا مسکرا دی۔ انھیں ایک دفعہ پھر شرمندگی محسوس ہوئی، اب ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں، وہ ان کو ہلکا سا مسکرا کر دیکھتیں مریم کے ساتھ دادو کو سہارا دینے لگیں، تاکہ وہ آسانی سے پانی پلا سکے۔ عنائیہ نے سر جھکا کر دوبارہ قرآن کھول لیا، اس کی انگلی ابھی تک انہی صفحات کے درمیان تھی جو مریم نے کھولے ہوئے تھے، وہ قرآن کی سطور پر یونہی نگاہیں دوڑانے لگی، اسے فی الحال نگاہیں ملانے سے نگاہیں جھکانا زیادہ ٹھیک لگ رہا تھا۔

پڑھتے پڑھتے وہ اچانک رُک گئی، لفظ ''دوسروں کے گھر'' نے اسے چونکا دیا۔ وہ پیچھے سے پوری آیت دیکھنے لگی۔

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، مت داخل ہو تم سوائے اپنے گھر کے دوسروں کے گھروں میں یہاں تک کہ تم اجازت لے لو۔''

عنائیہ کا دل ڈوب سا گیا۔ اس نے فوراً آئمہ کو اشارہ دیا جو اِدھر اُدھر بے زاری سے نگاہیں گھما رہی تھی، اس نے پڑھا اور پھر افسوس بھری نگاہ کا تبادلہ کرتی رُخ پھیر گئی۔

''اور تم سلام بھیجو اس کے اہل پر۔۔۔'' (آج وہ سلام بھی بھول گئی تھی، مگر اسے یاد آیا کہ مریم کے گھر داخلے پر تو اس نے کبھی سلام کیا ہی نہ تھا، یہاں تو کئی مرتبہ کا آنا جانا تھا، گویا کبھی سلام اور اجازت کی ضرورت محسوس ہی نہیں ہوئی، اپنا سا گھر لگتا تھا، سو اجازت کیسی؟ یہاں تو دوسروں کے گھر کی بات ہو رہی تھی، اس نے سر جھٹکا (لیکن اپنا گھر تو صرف ایک ہی ہوتا ہے، مریم کا گھر عنائیہ کا گھر تو نہیں ہو سکتا؟) سوال نے پھر سر اٹھایا

''بیٹا! یہ اتنا تکلّف کس لیے ہے؟'' مریم کی والدہ کی نگاہ ان کے بیگ پر پڑی تو چونک کر پوچھنے لگیں، وہ پھر سے شرمندہ ہوگئیں۔

''آنٹی! دراصل مریم نے بہت اچھی پوزیشن حاصل کی ہے، ہم اس کے لیے کچھ تحائف لائے تھے، تاکہ مل کر خوشی سیلیبریٹ کر سکیں، لیکن دادو کی خراب طبیعت کا معلوم نہیں تھا۔'' عنائیہ نے بتایا۔

''بس بیٹا! بہت کم زور ہو چکی ہیں تو اچانک طبیعت بگڑ جاتی ہے۔۔۔ مریم بیٹا! تم لوگ جاؤ، آپس میں کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کرو، میں دادو کے پاس ٹھہرتی ہوں۔'' اس کی مما نے رسانیت سے مریم کو دیکھا۔

''ماما! کچھ دیر مجھے دادو کے پاس بیٹھنا ہے، وہ قرآن سننا چاہتی ہیں۔''

''کوئی بات نہیں آنٹی! ہم چلتے ہیں، ٹھیک ہے مریم، پھر ملاقات ہوگی۔'' آئمہ فوراً کھڑی ہوگئی۔

''سوری! میں یہ نہیں چاہ رہی تھی، تم لوگ اِدھر بیٹھو، کچھ دیر۔۔۔'' مریم شرمندہ سی ہوگئی، لیکن انھوں نے جلد دوبارہ آنے کے وعدے پر معزرت کر لی اور وہ دونوں بد مزہ سی واپس لوٹ آئیں۔

''کیا دادو ہم سے اتنی زیادہ عزیز ہیں؟ ہماری اتنی محبت کی قدر ہی نہیں کی؟'' آئمہ باہر نکلتے ہی خفا ہونے لگی۔

''اس کی دادو کی حالت ٹھیک نہیں تھی اور ویسے بھی ہماری غلطی ہے، پہلے بتا دینا چاہیے تھا، تاکہ ایک اچھے وقت پر مل لیتے۔'' عنائیہ نے افسوس کیا۔

''لیکن ہم تو سرپرائز۔۔۔''

''چھوڑو سرپرائز۔۔۔ یہ سب اسی وجہ سے ہوا۔''

اس بات کو ایک ہفتہ گزر گیا، ان کے تعلّقات بھی دوبارہ استوار ہو گئے، گو کہ وہ دونوں مریم کے گھر نہیں گئیں، لیکن اس نے آ کر ان دونوں کا شکریہ ادا کیا تھا اور پھر وہ سب بھول گئیں، مگر کچھ تھا جو عنائیہ کو زندگی بھر کے لیے یاد رہ گیا اور آئمہ کو شیطان نے بھلا دیا۔

صبح عنائیہ نے بتایا تھا کہ آج وہ اپنی امی کے ہم راہ مریم کی طرف اس کی دادو کی عیادت کرنے جائے گی، آئمہ نے گھر میں یوں ہی ذکر کیا تو اس کی امی جان جو کل سے جانے کا وقت نکال رہی تھیں، وہ بھی جانے کے لیے کھڑی ہو گئیں، انھوں نے آئمہ سے جانے کا پوچھا تو اس نے فوراً انکار کر دیا، اُس دن کا مریم کا رویہ اسے بھولا نہ تھا۔

''چلی جاؤ، مریض کی عیادت کرنے کا ثواب ملتا ہے اور عنائیہ بھی تو ہوگی وہاں۔۔۔'' امی نے کہا تو وہ جانے کو تیار ہو گئی۔ عنائیہ اور مریم ہوں گی تو اسے بھی ساتھ ہونا چاہیے اور ویسے بھی آج کون سا وہ خصوصاً مریم کی خاطر جا رہی ہے، وہ تو دادو کی عیادت کرنے جا رہی ہے اور آج جب وہ امی کے ہم راہ وہاں پہنچی تو ان کا دروازہ مقفّل نہ تھا، سو وہ لوگ اندر داخل ہو گئے۔ عنائیہ امی سے تیز چلتی فوراً سامنے کمرے کی جانب بڑھ گئی، مگر اگلے ہی پل وہ ہونقوں کی طرح دہلیز سے پلٹی ہوئی آئی۔

''امی! ان کے گھر تو مہمان آئے ہوئے ہیں، اففف! انھوں نے مجھے دیکھ لیا، میں کیسے بے وقوفوں کی طرح یوں منہ اٹھا کر کمرے میں چلی گئی۔''

''تمھیں کس نے کہا تھا یوں بنا سوچے اندر چلی جاؤ، اچھا لگتا ہے اس طرح۔۔۔ کچھ دیر یہاں رُکو، اُنیسہ بلا رہی ہے امی کو۔'' امی نے مریم کی چھوٹی بہن کا نام لیا، وہ بے مزہ سی ہو کر اِرد گرد کا جائزہ لینے لگی، کچھ ہی دیر میں مریم نمودار ہوئی، وہ سامنے کمرے سے آئی تھی اور امی کے پوچھنے پر بتایا کہ دادو اسی کمرے میں ہیں۔ آئمہ امی کو چلنے کا اشارہ کرتی کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

''آنٹی! صرف کچھ دیر آپ یہاں بیٹھیں، امی دادو کا لباس تبدیل کروا رہی ہیں۔'' مریم کی آواز پر آئمہ کا دروازے کا ناک گھماتا ہاتھ رُک سا گیا، وہ جلدی سے پلٹ آئی، اس سے پہلے کہ مریم اس کی جانب پلٹ کر دیکھ لے، اسے اتنی شرمندگی کیوں اٹھانی پڑ رہی تھی، یہ بات اسے تب سمجھ آئی، جب کچھ ہی دیر بعد اس نے مریم کے دروازے کے باہر عنائیہ اور اس کی امی کو مسلسل کھڑے پایا، وہ ایک طرف کھڑیں تھیں، دروازے سے تھوڑا ہٹ کر سامنے دہلیز پر صرف ان کے سائے پڑ رہے تھے، آئمہ ان کی جانب آئی۔

''آپ لوگ اندر کیوں نہیں آ رہے۔'' وہ حیرت سے گویا ہوئی۔

''اُنیسہ نے دروازہ کھولا تھا، اب اپنی امی کو ہمارے آنے کی اطلاع کرنے گئی ہے۔

''کیوں؟'' وہ مزید حیران ہوئی۔

''چھوٹے بڑوں کو بتاتے ہیں ناں کہ گھر میں کون آ رہا ہے۔۔۔''

''تم لوگ اندر آؤ گے تو پتا چل جائے گا۔''

''نہیں، اجازت کے بغیر نہیں۔۔۔ اس دن کیا پڑھا تھا ہم نے۔'' عنائیہ کی بات پر وہ چونکی اور اسے یاد آنے لگا۔

''لیکن وہ تو پرائے کے گھر کی بات تھی۔''

''نہیں، وہ اپنے صرف ایک گھر کے علاوہ باقی تمام گھروں کی بات تھی، اپنا تو ایک ہی گھر ہوتا ہے نا!'' عنائیہ کے جواب میں وہ کچھ کہتی تبھی مریم کی امی آ گئیں تھیں اور اس طرح اجازت لینے پر تھوڑا ناراض ہو گئیں۔

''بھئی یہ اصول عنائیہ نے آپ کے گھر سے ہی سیکھا ہے، مریم کے قرآن میں پڑھا تھا۔'' قرآن کے نام پر وہ حیران ہوتی مسکرا دیں۔

''ماشاءاللہ'' کہتے ہوئے وہ سب آگے بڑھ گئے۔ آئمہ ایک ہی طرف کھڑی رہ گئی۔

''میں تمھیں ایک حدیث سناؤں۔۔۔؟'' عنائیہ اس کے پاس آئی اور مسکرا کر بولی۔

''سناؤ'' وہ سوچ کے انداز میں گویا ہوئی۔

''تمھیں حدیث کا مفہوم بتاتی ہوں، جو میں نے آیاتِ اذن کی تفسیر میں پڑھا۔''

''تفسیر؟'' وہ حیران ہوئی۔ عنائیہ قرآن کی طالب علم تو نہیں تھی۔

''مجھے یہ آیات دل سے بہت قریب لگی تھیں، اسی لیے میں نے ان کو احادیث کی مدد سے مزید سمجھنے کی کوشش کی، اچھا سنو! ایک صحابی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں اپنی والدہ کے پاس جاؤں، تب بھی اجازت لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تو انھوں نے کہا کہ وہ تو میرے ساتھ گھر میں رہتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اجازت لو، وہ کہنے لگے کہ میں تو ان کی خدمت میں رہتا ہوں، کیا تب بھی اجازت لے کر پاس جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم انھیں بے پردگی کی حالت میں دیکھو؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اجازت لو۔ (مشکاۃ المصابیح)

''اب اُمید ہے تمھیں اجازت کا مقصد سمجھ آ گیا ہوگا۔ ہر انسان کا گھر اس کی آزادی کی جگہ ہوتی ہے، جہاں وہ اپنے انداز و اطوار کے مطابق رہ رہا ہوتا ہے اور کسی آنے والے کا اجازت مانگنا اسے آنے والے کے متعلّق ذہنی و جسمانی طور پر تیار کر دیتا ہے، اسی لیے کوئی بھی انسان کسی بھی جگہ پر دوسرے کے پاس داخل ہوتے وقت اس پر انحصار کر رہا ہوتا ہے تو اجازت کی ضرورت تو ہوئی ناں!'' عنائیہ نے تفصیل سے بتایا تو آئمہ نے ایک گہرا سانس لیا، اسے اجازت کا مطلب سمجھ آ گیا تھا، اسی لیے وہ اگلے دن جب عنائیہ کے گھر جا رہی تھی تو اس نے کھلے دروازے پر بھی دستک دی۔

''کون ہے؟'' عنائیہ کی امی نے پوچھا۔

''میں ہوں۔'' اس نے فوراً بتایا تو انھوں نے اس کا نام لے کر مزید تصدیق کرتے ہوئے آنے کی اجازت دے دی۔

''بیٹا! عنائیہ تو سو رہی ہے۔ اتوار کے دن بہت سوتی ہے۔ تم اٹھاؤ جا کر میں تو کئی مرتبہ اٹھا چکی ہوں۔'' آنٹی نے بتایا تو وہ عنائیہ کے کمرے کی جانب آ گئی۔ عنائیہ کو آواز دیتے اس نے دستک دی، لیکن قدرے آہستہ اور سلیقے کے ساتھ، مگر جواب ندارد۔۔۔ اس نے دوبارہ دستک دی، پھر تیسری مرتبہ چوتھی مرتبہ پانچویں مرتبہ اور تب کہیں جا کر دروازہ دھڑام سے کھلا۔

''اتنی دیر۔۔۔''

''میں ہاتھ منہ دھو رہی تھی، اس لیے جواب نہیں دے سکی۔''

''کتنی دیر سے کھڑی ہوں باہر۔''

معلوم ہے، تمہارا ''میں'' سنا تھا میں نے۔'' عنائیہ تولیے سے چہرہ خشک کر رہی تھی، وہ ساتھ چلتے اندر آ گئیں۔

''تم یہاں بیٹھو، میں بس ابھی آتی ہوں۔'' عنائیہ اسے ایک جانب اشارہ کرتی خود باہر نکل گئی۔ آئمہ کی نگاہ تپائی پر رکھے ایک رجسٹر پر پڑی، جو کھلا پڑا تھا، اس نے غور کیا تو صفحے پر کچھ احادیث لکھی تھیں:

آپ ﷺ نے فرمایا: "اجازت طلب کرنے والا داخلے کی تین بار اجازت مانگے، اگر اجازت مل جائے تو داخل ہو جائے، ورنہ واپس لوٹ جائے۔" (سنن دارمی) آئمہ نے پانچ مرتبہ دستک دی تھی۔

نیچے پھر لکھا تھا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دروازے پر دستک دی، آپ ﷺ نے پوچھا: کون ہے؟ کہا: میں ہوں، آپ نے فرمایا: ''میں میں'' یعنی آپ ﷺ نے (نام نہ بتانے کو) ناپسند فرمایا۔ **صحیح بخاری**

اسے اپنا ''میں ہوں''، کہنا یاد آ گیا۔

وہ مسکرا دی، نجانے یہ الفاظ پہلے سے کھلے پڑے تھے یا عنائیہ دانستاً اس کے لیے کھول گئی تھی، مگر اس نے زندگی کے کچھ نئے اصول اور اجازت کے دو مزید خوب صورت آداب سیکھ لیے تھے۔

کوکب کا خواب

آخری حصہ

ام محمد سلمان

کوکب نے ان کی گود میں رکھے رجسٹر کی طرف دیکھا تو حیران رہ گئی۔ وہ تو وہی کچھ لکھ رہے تھے جو وہ بول رہی تھی۔

"ارے ارے فرشتے بھیا! میں تو آپ سے ملنے آئی ہوں، مجھ سے بات کریں نا! یہ سب کچھ کیوں لکھے جا رہے ہیں آپ؟ اور میں نے تو سنا تھا کہ فرشتوں کے پر بھی ہوتے ہیں، لیکن آپ کے تو نہیں ہیں۔ کیا اللہ میاں نے بغیر پروں کے بنا دیا آپ کو؟"

فرشتے نے اس کی طرف دیکھے بغیر یہ جملے بھی لکھ دیے۔ اب تو کوکب کچھ کچھ پریشان سی ہو گئی اور سوچنے لگی... یا اللہ! یہ کیسی مخلوق ہیں، نہ بات چیت کرتے ہیں نہ دیکھتے ہیں، نہ کسی اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔ بس لکھے جا رہے ہیں اور کوئی بات بھی نہیں چھوڑتے، سب کچھ لکھ دیتے ہیں، بس منہ سے نکلنے کی دیر ہے۔

وہ تھوڑی دیر خاموش کھڑی رہی تو فرشتوں نے بھی قلم روک لیا۔ اس نے دوبارہ کہا:

"دراصل میں اس دن کی بات رجسٹر سے صاف کروانے آئی ہوں۔ دیکھو فرشتے بھیا! میرا بالکل کوئی ارادہ نہیں تھا آمنہ کو الٹی سیدھی باتیں کہنے اور دھکا دینے کا۔۔۔ لیکن اس نے مجھے ستایا تو میں نے بھی ذرا سا بدلہ لے لیا، ورنہ اور کوئی بات نہیں تھی۔ میں تو بہت اچھی بہت سیدھی بچی ہوں، ایمان سے! یقین نہ ہو تو اماں سے پوچھ لیں چل کے!"

فرشتوں کا قلم پھر حرکت میں آیا اور یہ بات بھی لکھ دی۔ کوکب تو وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ "یا اللہ! یہ تو کچھ بھی نہیں چھوڑ رہے، سب کچھ ہی لکھے جا رہے ہیں۔"

صبح اٹھی تو بہت مضمحل سی تھی۔ غم زدہ صورت بنائے ماں کے پاس آ بیٹھی۔

"کیا بات ہے کوکب رانی! بڑی اداس لگ رہی ہو؟ آج ناشتا نہیں کرنا کیا؟ روزانہ تو فجر پڑھتے ہی بھوک بھوک کا شور مچا دیتی ہو۔ آج کیا ہوا؟" اماں نے پیار سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔۔۔

کوکب بے حس و حرکت سی انھیں دیکھے جا رہی تھی، پھر آہستہ آہستہ آنکھوں میں پانی بھرنے لگا اور وہ اماں سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ انھوں نے بھی خوب رونے دیا، بس ہلکے ہلکے چمکارتی رہیں، جب ذرا جی ہلکا ہوا تو پوچھا: "اب بتاؤ بٹیا! کیا ہوا؟"

"رات ہم نے خواب میں کراماً کاتبین کو دیکھا۔ وہ سب کچھ لکھتے ہیں اماں! کچھ بھی نہیں چھوڑتے۔ مطلب، انھوں نے ہمارے سارے جھگڑے اور جھوٹے بہانے بھی لکھ رکھے ہوں گے، جو ہم قاری صاحب سے کیا کرتے تھے۔"

"ہاں بیٹا! اللہ نے قرآن میں یہی بتایا ہمیں کہ وہ سب کچھ لکھتے ہیں کچھ بھی نہیں چھوڑتے۔ صرف برائیاں ہی نہیں وہ بندے کی سب نیکیاں بھی لکھتے ہیں۔"

"لیکن اماں! انھوں نے بس میری ہی باتیں لکھی تھیں۔ سکینہ اور آمنہ کی تو کوئی بات نہیں لکھی پرچے میں۔"

اماں کو اس کے بھول پن پہ ہنسی آ گئی۔

"ارے پگلی۔۔ وہ تمہارے فرشتے تھے نا جو تم پر مقرر ہیں!! سو تمہارا ہی حال لکھیں گے! تمہارے پرچے میں کسی اور کی باتیں تھوڑی لکھیں گے۔ دوسروں کی باتیں ان کے اپنے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی اور انہی سے پوچھ ہو گی۔ آئی سمجھ!"

"اماں! ایک بات تو بتائیں: کیا سب لوگ جانتے ہیں کہ کراماً کاتبین سب کچھ لکھتے ہیں؟ کوئی بات نہیں چھوڑتے؟"

"ہاں بٹیا! سب جانتے ہیں کہ کراماً کاتبین ہمارے ساتھ رہتے ہیں اور ہمارے سب اچھے برے اعمال لکھتے ہیں۔ یہی اعمال نامہ قیامت کے دن ہمارے سامنے کیا جائے گا کہ لو پڑھو اور اپنی گزری زندگی کا احوال جانو۔"

"تو پھر سب لوگ ایک دوسرے پر ظلم زیادتی کیوں کرتے ہیں اماں! ایک دوسرے کا حق کیوں مارتے ہیں؟ اللہ میاں کی بات کیوں نہیں مانتے؟ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ جھوٹ کیوں بولتے ہیں؟

پتا ہے اماں! ہم مسجد میں سپارہ پڑھنے جاتے ہیں تو روزانہ قاری صاحب دل برداشتہ ہوتے ہیں کہ مسجد میں اتنے کم نمازی آتے ہیں۔ لوگ نماز نہیں پڑھتے، ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہیں تو اللہ کا غضب کیوں نہ اترے ہم پر۔۔۔!"

"ہاں بٹیا! یہی بات ہے۔ بندے اگر گناہوں سے باز نہیں آئیں گے، توبہ کر کے اپنی اصلاح نہیں کریں گے تو واقعی اللہ کے غضب کا شکار ہوں گے۔"

"اماں مجھے خیال آ رہا تھا کہ اگر سب لوگوں کو کراماً کاتبین خواب میں نظر آ جائیں اور انھیں پتا لگ جائے کہ یہ فرشتے تو ہماری ساری باتیں اور حرکتیں لکھتے ہیں تو پھر سب نیک بن جائیں گے، کوئی شخص بُرا کام نہیں کرے گا۔ ہے نا اماں!"

"ارے بٹیا! تم تو بالکل بھولی ہو۔ اللہ میاں نے اتنی وضاحت سے تو بتا دیا قرآن میں کہ تم پر دو نگہبان فرشتے مقرر ہیں اور وہ تمہارے سب اعمال کو جانتے ہیں، ان سے کچھ چھپا نہیں اور وہ سب کچھ لکھ رہے ہیں۔

انسان ہدایت لینا چاہے تو اتنا ہی کافی ہے بٹیا! جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، اس سے محبت کرتے ہیں، وہی اس کی مانتے ہیں۔ اپنے اعمال کو سنوارتے رہتے ہیں، تاکہ آخرت میں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے اور بے حساب اجر کے مستحق بنیں۔"

کوکب نے بھی اثبات میں سر ہلایا، گویا اماں کی بات خوب اچھی طرح سمجھ میں آ گئی تھی۔

لوگ بدلیں نہ بدلیں۔۔۔ ایک خواب نے کوکب کی زندگی سنوار دی تھی۔ ہر دم یہ خیال رہتا کہ فرشتے سب کچھ لکھ رہے ہیں۔ زبان کو قابو میں رکھنے لگی، پہلے کی طرح بلا تکان بولنا چھوڑ دیا۔ سہیلیوں سے لڑنا جھگڑنا بھول گئی۔ اعمال میں بہتری آنے لگی۔ پہلے جو عصر کی نماز ہمیشہ سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے میں قضا کر دیا کرتی تھی، اب تو اذان ہوتے ہی مصلے پر آن موجود ہوتی۔ اماں ابا کی خوب خدمت کرتی۔ گھر کے کاموں میں ماں کا ہاتھ بٹاتی۔ اپنی نظریں ہمیشہ جھکا کر رکھتی۔ اماں ابا بھی کوکب سے بہت خوش رہنے لگے تھے اور اس کی کام یاب زندگی کے لیے خوب دعائیں کرتے۔

پھر برسوں گزر گئے۔۔۔ دنیا بدل گئی، لیکن کوکب شادی شدہ اور بچوں کی ماں بن کر بھی وہیں اس ہرے بھرے باغ کی سفید سنگ مرمر کی عمارت میں رہ گئی، جہاں پھولوں سے لدی محرابی کھڑکی کے نیچے..... پتھر کی بینچ پر بیٹھے دو فرشتے..... گود میں رجسٹر رکھے..... کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔

کفارہ

بینش احمد

کھٹا کھٹ تصاویر لیتے ہوئے ارسلان کی نظر اچانک برآمدے کے آخری سرے پر بیٹھی ایک پُروقار سی خاتون پر پڑی تو اس نے سارہ کو متوجہ کیا۔ سارہ جذبات سے نڈھال تھی۔ اولڈ ہاؤس میں موجود بہت سے بزرگوں کی دل گیر کہانیاں سن کر وہ جذباتی طور پر بہت مجروح ہو چکی تھی۔

کسی کو چھ بیٹوں نے بوجھ جانا تھا تو کوئی بیٹی کے گھر سے داماد کے ہاتھوں دھکے کھا کر اولڈ ہاؤس میں جائے پناہ تلاش کرتا یہیں آباد ہو چکا تھا۔

ارسلان نے سارہ کا کندھا ہلایا اور بولا:

"سارہ! دیکھو تو وہ خاتون کس قدر شان دار شخصیت کی مالک ہیں۔ وہ اس ماحول کا حصہ بالکل بھی نہیں لگ رہی ہیں۔ آؤ ان کے پاس چلتے ہیں، ہو سکتا ہے ان کی کہانی اس قدر دل چسپ ہو کہ اگر ہم یہ کہانی چھاپ دیں تو ہماری عارضی نوکری مستقل ہو جائے۔"

یہ سن کر سارہ نے شدید ناگواری سے تیوری چڑھائی۔

"ایک تو تم بھی نا! ملازمت مستقل ہوئی نہیں اور تم ہو کہ ابھی سے Typical اخباری رپورٹر بن گئے۔ شرم کرو، تمہیں ان لوگوں کی زندگی کہانی لگتی ہے، جو چھپ کر مشہور ہو گئی تو تمہارے لیے خوشیوں کی نوید لائے گی، چچ چچ چچ۔۔۔ بہت افسوس ہوا مجھے تمہاری سوچ پر ارسلان! یہ کہانیاں نہیں زندگی کے سبق ہیں، سمجھے تم!!"

"اف!!!" ارسلان نے چلا کر کہا۔

"بس بھی کرو، تمہارا لیکچر شروع ہو جائے تو بند ہونے کا نام نہیں لیتا۔ چلو میرے ساتھ چل کر ان کی کہانی۔۔۔ میرا مطلب ہے ان کی زندگی کے بارے میں جانتے ہیں۔" چلتے چلتے ارسلان نے کہا۔

"خاتون دیکھنے میں کس قدر پُروقار اور خوب صورت ہیں، مجھے تو لگتا ہے وہ کسی ادارے کی Boss ہوں گی، لیکن باس اولڈ ہاؤس میں کیوں اور کیسے؟"

"اف! ایک تو تم اور تمہارے اندازے، چلو چل کر خود پوچھ لو۔"

وہ جب ان خاتون کے پاس جا کر بیٹھے تو وہ بالکل بھی متوجہ نہ ہوئیں، خود میں ہی مگن تھیں، جیسے کسی گہری سوچ میں ہوں۔

"آہم!!!" ارسلان نے ان کو متوجہ کرنا چاہا، مگر انہوں نے دھیان نہ دیا۔

سارہ نے ذرا قریب ہو کر ان کو پکارا: "آنٹی۔۔۔"

ایک دو بار پکارنے پر بھی جب وہ کچھ نہ بولیں تو ارسلان نے سارہ کو چلنے کا اشارہ کیا۔

جب وہ اٹھنے لگے تو ان خاتون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مایوس ہو گئے نا؟ سوچ رہے ہو گے بڑھیا بہری ہے۔" پھر خود ہی ہنس دی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

ارسلان اور سارہ پگھل سے گئے۔

سارہ نے جلدی سے ان کے ہاتھوں کو تھام کر کہا۔

"آنٹی! ہم اخبار کے دفتر میں کام کرتے ہیں اور اولڈ ہاؤس پر ایک فیچر لکھ رہے ہیں۔ ہم معاشرے میں موجود رویّوں کو بدلنے کی ایک کوشش میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ آپ چاہیں تو ہم پر اعتبار کر سکتی ہیں اور ہمیں اپنی کہانی سنا سکتی ہیں۔"

"میری کہانی؟؟؟ بیٹا! میری کہانی سے تمہیں کچھ نہیں ملنے والا۔۔۔ جاؤ، وہ سامنے اکرم صاحب ہیں، ان کی کہانی لکھو، ٹی بی کے مریض ہیں اور جگہ جگہ تھوکنے کی پاداش میں گھر سے نکال دیے گئے ہیں۔

بھئی ان کے پوتوں کو جراثیم لگنے کا خدشہ تھا نا یا پھر وہ سامنے غزالہ بیگم ہیں پانچ بیٹیوں کی ماں ہیں، مگر بیٹیاں کیا کریں، شادی شدہ ہیں، ماں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتیں۔۔۔ ماں آئے روز بیمار جو ہو جاتی ہے۔

وہ دیکھو! وہ سامنے ساٹھ سالہ جو غم کی تصویر ہے، اس کا نام شکیلہ خاتون ہے۔

شوہر نے پینسٹھ سال کی عمر میں دوسری شادی کر لی اس عمر میں اور کہاں جاتی۔

یہ اولڈ ہاؤس ہی اس کا مقدر تھا کہ بچے بیچارے تو امریکہ میں مقیم ہیں۔

یقیناً کوئی نہ کوئی کہانی چھپنے کے قابل ہو گی ان میں سے۔"

ارسلان خاصا بدمزہ ہو چکا تھا۔۔۔

مگر سارہ کو معلوم پڑ چکا تھا، یہ خاتون کچھ خاص ہیں اور ان کی کہانی ان سے بڑھ کر خاص ہو گی۔

سارہ نے ان کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے بچوں کے سے انداز میں کہا۔

"آنٹی جو بھی ہو، میں آپ کی کہانی سن کر ہی جاؤں گی، چاہے یہاں بیٹھے بیٹھے میں اولڈ ہی کیوں نہ ہو جاؤں اور اس گھامڑ کو ساری عمر میرا انتظار کرنا پڑے۔"

سارہ کی اس بات پر ان خاتون کی ہنسی چھوٹ گئی، وہ موم ہوگئیں اور خود ہی رواں ہوگئیں۔

میں عمارہ بیگم، پانچ بچوں کی ماں ہوں اور ایک سرکاری اسکول کی ہیڈ مسٹریس بھی رہی۔ ایک خوش حال گھر سے تھی اور شادی بھی ایک خوش حال گھر میں ہوئی۔ میرے شوہر کام کے سلسلے میں اکثر شہر سے باہر رہا کرتے تھے، سو میری زندگی کا محور میرے بچے اور میرا گھر تھا۔ گھر کو سجانا سنوارنا، بچوں کو پڑھانا لکھانا۔۔۔
وقت گزرتا گیا اور بچے بڑے ہوتے چلے گئے۔ دو بیٹیاں اور تین بیٹے، میری بڑی بیٹی بہت سمجھ دار اور سلیقہ شعار تھی، جوں جوں وہ بڑی ہوتی چلی گئی مزید سمجھ دار ہوتی چلی گئی۔ ہر آتے جاتے مہمان کے سامنے اس کی تعریف کرنا میرا مشغلہ تھا، ایسا کرتے ہوئے میں اکثر اپنے باقی بچوں کو بھول جایا کرتی تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ ایک بچے کی حد سے زیادہ تعریف اسے خودسر اور مغرور بنا سکتی ہے، جبکہ باقی بچوں کو احساسِ محرومی میں مبتلا کرسکتی ہے۔ میری بڑی بیٹی ثناء کی موجودگی میرے لیے باعثِ راحت تھی۔ وہ گھریلو کاموں میں طاق تھی اور معاملہ فہم بھی۔ وقت گزرتا گیا اور ثناء میرے دل کے قریب ہوتی چلی گئی، وہ میری ہم راز بھی تھی۔

جب چھوٹی بیٹی جوان ہوئی تو گھر کا ماحول پہلے سا نہ رہا۔ پہلے بچوں نے دبے دبے لفظوں میں اس بات کا اظہار کیا کہ ان کی آپا ان کے ساتھ زیادتی کرتی ہے اور اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ بھی اٹھاتی ہے، مگر میں ہمیشہ ان کو ڈپٹ دیا کرتی تھی، آہستہ آہستہ بچوں نے خاموشی اختیار کر لی اور مجھ سے دور ہوتے چلے گئے۔ دھیرے دھیرے سب کی شادیاں ہوگئیں۔ ثناء بھی اپنے گھر کی ایسی ہوئی کہ پھر پلٹ کر ماں کو یاد تک نہ کیا، اسی دوران میرے شوہر لاہور سے آتے ہوئے ایک حادثے کا شکار ہوکر دارِ فانی سے کُوچ کر گئے۔

پہلے ثناء کی جدائی، پھر شوہر کا انتقال۔۔۔ مسلسل روگ سا تھا بس!! گھر میں بس میں اور میری بیس سالہ بیٹی رہ گئے تھے۔ وہ ہر طرح سے میرا خیال رکھتی، مگر جانے مجھے کیا ہوگیا تھا کہ میں اسے بات بات پہ ڈانٹ دیا کرتی تھی، کیوں کہ مجھے لگتا تھا کہ ثناء کے مقابلے میں کوئی بھی نہیں ہوسکتا، کوئی بھی اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔

تئیس سال کی عمر میں، میں نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے شوہر کے بھانجے سے اس شرط پر کردی کہ وہ گھر داماد بن کر ہمارے ساتھ رہے گا، وہ بن ماں باپ کا بچہ تھا، فوراً مان گیا۔ یوں میں اپنے آخری فرض سے بھی سبک دوش ہوکر ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی۔ ایک رات میں پانی پینے اٹھی تو مجھے اپنی بیٹی کے رونے کی آواز سنائی دی، وہ اپنے شوہر سے باتیں کررہی تھی اور جو کچھ وہ کہہ رہی تھی، وہ میرے لیے کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔''اسد آپ کو پتا ہے، میری اماں نے آج تک مجھے گلے نہ لگایا، میرا ماتھا نہ چوما، جیسے بات بے بات وہ آپا کو گلے لگایا کرتی تھیں۔ انوس نے کبھی میری تعریف نہیں کی۔ انیں ولگتا ہے آپا کے علاوہ کوئی بھی سمجھ دار نہیں ہوسکتا۔ اماں نے ہمیں آپا کے برابر کبھی سمجھا ہی نہیں۔۔۔ ہم تو جیسے تھے ہی نہیں کبھی!! آپا کی شادی کے بعد تو اماں کو مجھ سے جیسے خدا واسطے کا بیر ہوگیا ہے۔ میری ہر بات ان کو بری لگتی ہے، میں نے ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لی۔ دن رات ان کی خدمت کر کے دیکھ لی، مگر بدلے میں طعنوں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

کیا ماں ایسی ہوتی ہے؟؟؟ میں تو پلٹ کر ان کو کچھ بھی کہہ نہیں سکتی کہ وہ ماں ہیں، میری جنت ہیں۔"

میری بیٹی نے روتے ہوئے اپنے شوہر سے کہا: ''اسد میں کبھی ایسی ماں نہیں بنوں گی۔''

میں اندر تک ٹوٹ پھوٹ چکی تھی، مگر میں نے اس لمحے عہد کیا کہ مجھے بہت کچھ بدلنا ہے، ابھی بھی بہت وقت ہے۔ اگلی صبح ناشتے کی میز پر تسبیح کے دانے پھیرتے ہوئے میں نے اپنی بیٹی کو پیار سے چھوا، اس کے ماتھے کو چوما اور ڈھیروں دعائیں دیں اور لفظوں کا سہارا نہ لیا۔

اپنی شرمندگی کے اظہار کے لیے کہ جو کام عمل کرسکتا ہے، وہ لفظ نہیں کر پاتے۔ عمل لفظوں سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔

سارہ اور ارسلان بہت دل جمعی سے ان کو سن رہے تھے، جب وہ خاموش ہوگئیں تو سارہ نے بے چینی سے سوال کیا۔

"مگر میرے سوال کا جواب اب تک نہیں مل پایا، اگر آپ اپنی بیٹی کے ساتھ رہتی ہیں تو اولڈ ہاؤس میں کیسے؟"

عمارہ بیگم نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا:

"میں اولڈ ہاؤس کی رہائشی نہیں ہوں، میں تو یہاں کفارہ ادا کرنے آتی ہوں۔" یہ کہہ کر انوہں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

''کفارہ؟'' ارسلان اور سارہ نے یک زبان ہوکر پوچھا: "کیا کفارہ؟"

"دیکھو! یہاں اولڈ ہاؤس میں موجود ہر ایک شخص غم کی تصویر ہے۔ اپنی درد بھری کہانی سنا کر اپنا بوجھ ہلکا کرتا ہے۔ دیکھو! اگر ہم غلط ہوسکتے ہیں تو کیا ماں باپ نہیں ہوسکتے؟ اگر میری ماں ہے تو وہ غلطی کر ہی نہیں سکتی، کیوں؟

کیا ماں انسان نہیں؟

کیا اس سے غلطی نہیں ہوسکتی؟

جیسے مجھ سے غلطی ہوئی۔

بہت بڑی غلطی۔

تو بیٹا میں ایسی غلطی کا کفارہ ادا کرنے آتی ہوں، یہاں موجود تمام لوگوں کو تصویر کا ایک الگ رُخ دکھانے کی کوشش کرتی ہوں کہ ان کو تسلی دے سکوں، اپنی غلطی کی طرح انجانے میں ہو جانے والی کسی کوتاہی سے روشناس کروا سکوں، ہوسکتا ہے انجانے میں ان سے کوئی ایسی غلطی ہوگئی ہو، جس نے اولاد کے دل میں نفرتیں بھر دی ہوں تو کچھ لوگ میری بات سن لیتے ہیں اور کچھ مجھے طعن و تشنیع سے نوازتے ہیں۔ یوں میرے دل کی کَسک کو آرام ملتا ہے کہ 22 سال تک میں اپنے جگر کے ٹکڑے کے لیے مشکل کا باعث بنی، اس کو اپنی متوازن محبت سے محروم رکھا۔۔۔''

اس بات کے اختتام پر انہوں نے سارہ اور ارسلان کو دیکھا اور پھر سامنے گیٹ پر کھڑی ایک موٹی سی صورت والی لڑکی کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ میں آتی ہوں۔ انہوں نے رخصت ہوتے سارہ اور ارسلان کی پیٹھ کو پیار سے تھپتھپایا اور چلی گئیں۔

بڑا بھائی

حفصہ محمد فیصل

''بشیر چاچا! کیا یہ کام مجھے مل سکتا ہے؟'' سوال سن کر بشیر چچا نے چونک کر اسے دیکھا۔
''ہاں، ہاں۔۔۔ کیوں نہیں! میں بات کرتا ہوں نذیر بھائی سے پھر تمہیں بتاتا ہوں۔'' بشیر چچا نے اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔
''اسو'' جس کا اصل نام ارسل تھا، مگر جس طبقے کے ساتھ وہ رہتا تھا، وہاں عموماً بچوں کے نام بگاڑ کر بولے جاتے تھے، اس طرح ارسل بھی اسو ہو گیا۔ اسو اپنے ماں باپ کی پہلی اولاد تھا۔ اس کے والد تاج مستری کا کام کرتے تھے۔ کئی بلڈنگوں کے ٹھیکے دار اپنے ٹھیکوں پر اسو کے والد کو بلاوا بھیجتے اور ایک دن وہ اسی طرح کے کسی ٹھیکے پر کام کرنے گئے اور پھر چھٹی منزل پر گارے کی چکنائی کو نہ دیکھ پائے اور اوپر سے نیچے آ گرے۔
باپ کا لاشہ دس سالہ اسو کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ اماں پر بار بار غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ ننھی رابی اور چھوٹا اجو بس ٹکر ٹکر باپ کے لاشے کو چارپائی پر پڑا دیکھ رہے تھے۔ زندگی کس موڑ پر آ ٹھہری تھی، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آمدنی ویسے ہی قلیل تھی۔ اب تو نہ ہونے کے برابر ہو گئی۔ محلہ بھی غریب آبادی پر مشتمل تھا، کوئی کتنی مدد کرتا، یہاں تو سب مدد کے مستحق تھے۔
اماں کی طبعیت بحال ہوئی تو اس بے چاری نے عدّت کے دنوں میں ہی سلائی کڑھائی کا کام شروع کر دیا کہ پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے کوئی بہانہ نہیں چلتا۔
اسو پانچویں جماعت کا طالب علم تھا، مگر ابا کے جانے کے بعد اسکول ایسا چھوٹا کہ وہ کبھی نہ جا سکا، حالاں کہ وہ بہت لائق تھا، ابا اکثر اسے افسر بنانے کے خواب دیکھا کرتے تھے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اپنے اس خواب کا ذکر کیا کرتے، مگر خواب سب کے تو پورے نہیں ہوتے نا!

◆◆◆

''اسو بھیا! مجھے وہ گلابی غبارہ چاہیے؟''
رابی گلی میں کھڑے غبارے والے کو مچلتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ایک غبارے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ننھی منی بہن کی ننھی سی خواہش پوری کرنے کے لیے اسو کا دل مچل گیا اور اس کے ہاتھ خالی جیب کی طرف رینگ گئے۔
''کاش! اس جیب میں پانچ کا سکہ ہوتا تو میں اپنی بہن کو یہ ننھی سے خوشی خرید کر دے سکتا!!'' اسو نے بے چارگی سے سوچا، اسی بے چارگی کے عالم میں اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

◆◆◆

''تم کہاں بال خرید سکو گے؟ تم تو یتیم ہو!'' اجو کا دوست نجم اسے طعنہ دے رہا تھا۔
اسو جو کسی کام سے گھر سے نکل رہا تھا، اس کے قدم اس آواز نے جکڑ لیے۔
''آہ، میرے اللہ! میرے بھائی بہن چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے ایسے ترس رہے ہیں۔۔۔
نہیں نہیں۔۔۔ مجھے کچھ کرنا ہوگا۔۔۔ میں بڑا۔۔۔ ہاں، میں بڑا ہوں۔۔۔ میں اپنے بھائی بہن کی ہر خواہش پوری کروں گا، میں ابا کی جگہ کام کروں گا۔''

◆◆◆

اور آج جب اسو، چچا بشیر کی دوکان پر چینی لینے آیا تو اسے ایک راہ دکھائی دی۔
''بشیر بھائی بٹنوں اور موتیوں کی پیکنگ کروانی ہے چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں، کوئی ہے تمہارا جاننے والا جو یہ کام جلدی جلدی کر کے دے سکے؟ ایک تھیلی پر ایک روپیہ، ایک ہزار تھیلیاں پیک کرنی ہیں، مگر کل تک!!''
یہ نذیر بھائی تھے، جن کی مارکیٹ میں بڑی سی دکان تھی، کچھ سودا لینے بشیر چچا کی دکان پر آئے تو باتوں باتوں میں کام کا کہنے لگے۔
اسو اس پیشکش کو سن کر خوابوں میں کھو گیا۔ ننھی کا غبارہ اور اجو کی بال اسے بہت قریب نظر آنے لگیں اور پھر اس نے بشیر چچا سے اس کام کے متعلق پوچھ لیا۔
''مگر اسو! تمہیں اس کام کا بالکل تجربہ نہیں، نذیر بھائی کو کام بلکل صحیح چاہیے، ورنہ وہ بڑے ناراض ہوں گے۔'' شام کو بشیر چچا اسو کو سمجھا رہے تھے۔ اسو کی مایوس صورت دیکھ کر چچا بھی اداس ہونے لگے۔
''اچھا ٹھہرو! نذیر بھائی سے تمہارے لیے سو تھیلیوں کی بات کرتا ہوں، تاکہ تمہیں بھی کام کرنا آسان ہو اور نذیر بھائی بھی تمہارا کام دیکھ سکیں، ٹھیک ہے؟'' چچا بولے۔
تو اسو نے بھی مری مری آواز سے ''ٹھیک'' کہا۔

◆◆◆

''اسو! یہ رات گئے تک کیا کر رہے ہو؟'' اماں نے اسو کو باورچی خانے کے پاس بیٹھے دیکھا تو پوچھنے لگیں۔
''اماں! آپ سو جائیں، ایک کام ملا ہے، صبح بتاؤں گا۔'' اسو نے ماں کو تسلی دی۔
صبح کو صحن میں چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں جگمگاتے بٹن اور موتی پیک ہوئے پڑے تھے۔ رابی ایک ایک کو اٹھا کر ستائشی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اجو، بھائی سے اس کام کی معلومات لے رہا تھا، جب کہ اماں محبت پاش نگاہوں سے اپنے چھوٹے سے بیٹے کو بڑے کام کرتا دیکھ رہی تھی۔ اماں کی آنکھیں چھلک پڑیں اور اس نے اسو کی آگ کی لو سی جلی ہوئی انگلیوں پر اپنے ہونٹ رکھ کر بوسہ لیا، جن ہاتھوں میں کتابیں ہونی چاہیے تھیں، آج وہ دیے کی لو سے پیکنگ کر رہے تھے۔
''اماں!'' اسو نے ماں کا چہرہ ہاتھوں میں تھاما اور اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر اس کی آنکھیں صاف کیں اور رونے سے منع کیا۔

◆◆◆

رابی کے ہاتھ میں گلابی غبارہ جب کہ اجو کے پاس نئی بال تھی۔ اسو ان دونوں کو ہنستا دیکھ کر خوش ہو رہا تھا، جب کہ اماں اپنے دس سالہ اسو کو وقت سے پہلے بڑا ہوتا دیکھ رہی تھی۔۔۔
پھر قسمت نے یاوری کی اور اماں کی دعاؤں سے اسو پیکنگ کے فن میں ماہر ہوتا گیا۔ مارکیٹ سے بہت سی چیزوں کی پیکنگ کے لیے اس سے رابطہ کیا جانے لگا، جن میں بٹن، موتی کے علاوہ گرم مسالے، ٹافیاں وغیرہ شامل تھیں۔
اسو نے اپنی مزدوری بھی کم رکھی تھی، اسی وجہ سے اسے زیادہ کام ملنے لگا۔ فارغ وقت میں اماں بھی اس کے ساتھ بیٹھ جاتیں، یوں محنت کش اجو کو سہارا مل جاتا۔
اب وہ ''اجو'' کو آفیسر بنانے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔
خواب تو ابا ہی کا تھا، بس اس کا کردار بدل گیا تھا۔
اجو اور رابی صبح سویرے اسکول جاتے تو اسو اپنے اندر ایک نئی تازگی اور عزم محسوس کرتا۔ اماں کی سلائی کڑھائی اور اسو کے کام سے آمدنی میں اضافہ ہونے لگا۔ اب کچھ رقم بچ بھی جاتی۔ اماں اپنی پہلی گود کے بچے کو دیکھتی رہ جاتیں، جس کا بچپن آنے سے پہلے ہی کہیں کھو گیا تھا، مگر اس باہمت بچے نے یہ ثابت کر دیا کہ
''باپ کے بعد بڑا بھائی بھی باپ کی جگہ ہوتا ہے۔''

◆◆◆

پہلا حصہ

گرمیوں کی چھٹیاں

نشا وقار

''وعلیکم السلام براہ مہربانی آپ لوگ اپنی اپنی جگہوں پر تشریف رکھیں۔'' سر محسن نے ہفتم جماعت میں داخل ہو کر بچوں کو سلام کیا اور انھیں بیٹھنے کا کہہ کر حسبِ عادت بلیک بورڈ کی جانب بڑھ گئے۔
بچے بھی سستی سے کاپیاں، کتابیں بستے سے نکالنے لگے۔
لیکن!
جب طلبہ کی نظر بلیک بورڈ پر پڑی تو وہاں پر آج کا پڑھایا جانے والا موضوع لکھنے کی بجائے سر محسن نے بڑا، بڑا 'گرمیوں کی چھٹیاں لکھا ہوا تھا، جسے دیکھ کر ان کی سستی، بے زاری مسکراہٹ میں بدل گئی۔
''تو کیا خیال ہے، چھٹیوں کی خوشی میں آج کچھ الگ ہو جائے؟''
سر محسن نے طلبہ کے چہروں پر خوشی کے تاثرات دیکھتے ہوئے لفظ 'الگ' پر خاص طور پر زور دیا۔
''سر! الگ کا مطلب کیا ہے؟''
پوری جماعت نے پُرجوش ہو کر یک زبان کہا۔
''مطلب یہ کہ آج جماعت میں پڑھنے لکھنے کے حوالے سے کوئی بات نہیں ہوگی اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو گرمیوں کی چھٹیوں میں پڑھنے لکھنے کا کوئی کام نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ آپ لوگ چھٹیوں میں اسکول کے بستے کی طرف دیکھیں گے بھی نہیں۔ ہے نا کچھ الگ؟''
سر محسن کی بات پر پوری جماعت حیرت سے سر کو دیکھنے لگی۔
''تو سر پھر ہم چھٹیوں میں کیا کریں گے؟''
''کچھ الگ، کچھ خاص جو آج تک نہیں کیا ہو۔''
بچوں کی دل چسپی کو دیکھتے ہوئے سر محسن نے لفظ ''الگ'' پر ایک بار پھر زور دیا۔
''تو پھر آپ تیار ہیں؟''
گرمیوں کی چھٹیوں میں کچھ الگ، کچھ خاص کرنے کے لیے؟''
''جی سر، ہم تیار ہیں!'' بچوں نے جوشیلے انداز میں کہا۔
''لیکن ہم ایسا کیا کریں کہ ہماری چھٹیاں پچھلی چھٹیوں سے الگ اور خاص ہو؟'' طلبہ جاننے کے لیے بے قرار دکھائی دے رہے تھے۔
''بتاتا ہوں، بتاتا ہوں، تھوڑا صبر کریں۔ ایک اور خوش خبری ہے آپ لوگوں کے لیے میرے پاس۔''
''وہ کیا سر جلدی بتائیں۔''
کلاس کے سب سے شریر طالبِ علم باسط میاں، جن کا علم کی طلب سے دور دور تک کوئی واسطہ نہ تھا۔ جن کا مشن صرف اسکول میں نئی نئی شرارتیں کرنا اور اپنی نت نئی تخریب کاریوں سے اساتذہ اور دوسرے ہم جماعتوں کا ناک میں دم کیے رکھنا تھا۔
وہ بھی لفظ 'الگ، سن کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔
''تو پیارے بچو! خوش خبری یہ ہے کہ جس کی چھٹیاں سب سے خاص اور الگ ہوں گی، اسے اسکول کی طرف سے بے شمار انعامات اور نمبر دیے جائیں گے۔''
سر محسن نے سانس لینے کے لیے لمحے بھر کا وقفہ لیا اور گفتگو کا سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں چھوڑا تھا۔
''اس سلسلے میں میری ہیڈ ماسٹر صاحب سے بھی بات ہوئی ہے، انھوں نے کہا ہے کہ چھٹیوں میں آپ کو جو نمبر دیے جائیں گے، وہ سالانہ امتحانات میں آپ کا نتیجہ بناتے وقت اس میں شامل کیے جائیں گے۔
''یاہو!!!'' پوری جماعت نے بے ساختہ نعرہ لگایا۔
''سر جب ہم چھٹیوں میں پڑھنے لکھنے کا کوئی کام ہی نہیں کریں گے تو ہمیں نمبر کس بات کے ملیں گے؟''
کلاس کے سب سے ذہین طالبِ علم علی نے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے۔
''کھیلنے کودنے کے، سیر و تفریح کرنے کے، مزہ کرنے کے، بھرپور نیند لینے کے، کچھ نیا سیکھنے کے، اپنے وقت کا صحیح استعمال کر کے اسے اپنے لیے مزید قیمتی بنانے کے۔''
سر محسن نے بچوں کے تاثرات پر محظوظ ہوتے ہوئے روانی سے کہا۔
''کیا!!!''
کھیلنے کودنے، سیر و تفریح پر اتنا کچھ ملے گا؟ لیکن کیوں؟ ہمیں تو ان سب پر ہمیشہ ڈانٹ ہی پڑی ہے اور وقت کا صحیح استعمال مطلب؟''
جماعت کے ایک اور ہونہار طالبِ علم عبدالواسع نے منہ بسورتے ہوئے سر سے استفسار کیا۔
''اس ''کیوں'' کا جواب آپ کو پریڈ کے اختتام پر خود ہی مل جائے گا اور بے فکر رہیں، اس بار آپ کو ان سب پر ڈانٹ نہیں، تعریف سننے کو ملے گی۔''
سر محسن نے معنی خیز انداز میں عبدالواسع کی بات کا جواب دیتے ہوئے کلاس مونیٹر معیز سے نمونے کے طور پر ان کی پچھلے سال کی چھٹیوں کا احوال پوچھا۔
''سر! ہمیشہ کی طرح بہت مزہ کیا، گھومے پھرے، اسکول کا کام کیا، کچھ دن کے لیے نانی جان کے گھر گئے، وہاں ہم نے اپنے ماموں زادوں اور خالا زادوں کے ساتھ خوب ہلّا گلّا کیا۔''
معیز یہ سب بتاتے ہوئے بہت خوش اور پُرجوش دکھائی دے رہا تھا، جس سے صاف ظاہر تھا

کہ معیز نے چھٹیوں میں خوب تفریح کی۔
''جولائی میں ہمارے گھر ہماری پھپھو آ گئی تھیں۔ ان کے ساتھ خوب گھومے، پھرے سمندر کی سیر پر گئے، چڑیا گھر کی سیر کی پھوپھی زاد بھائی بہنوں کے ساتھ یہ سیر بہت پُرلطف رہی۔''
معیز نے ایک ہی سانس میں جلدی جلدی اپنے پچھلے سال کی چھٹیوں کی روداد سنائی۔
''اس کے علاوہ آپ نے اور کیا کیا؟ سیر وتفریح سے کس کس طرح لطف اندوز ہوئے اور کیا آپ نے کچھ نیا سیکھا؟''
سر محسن نے معیز سے ان کی چھٹیوں کا مزید احوال جاننے کے لیے چند سوالات کیے۔
''تفریحی مقامات پر ٹک ٹاک بنائی، تصاویر لی، اسنیپ چیٹ، واٹس ایپ اسٹیٹس اور انسٹا پر تفریح مقامات پر بنائی جانے والی اپنی ٹک ٹاک وڈیوز، وی لاگ اور تصاویر کو شیئر کیا۔
سب سے زیادہ چڑیا گھر میں شیر کے ساتھ بنائی جانے والی ہماری ٹک ٹاک ویڈیو کو بہت زیادہ پسند کیا گیا۔ ان سب میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا کہ کچھ نیا سیکھتے۔''
معیز کے خاموش ہونے پر سر نے بلیک بورڈ پر معیز کا نام لکھا اور اس کے برابر میں سو نمبر لکھے۔
''مثال کے طور پر میں بتاتا ہوں کہ اگر معیز نے اس سال بھی ایسے ہی چھٹیاں گزاری تو یہ کتنے نمبر حاصل کر سکیں گے؟''
معیز نے چھٹیوں کا ہوم ورک کیا، اس کے پورے پچیس نمبر معیز کو ملیں گے۔"
بچے دم سادھے کبھی معیز کو دیکھتے تو کبھی بلیک بورڈ کو جہاں معیز کے اسکور میں پچیس نمبر کا اضافہ ہو گیا تھا۔
''معیز! آپ نے نانی جان کے گھر میں چھٹیاں کیسے گزاریں؟''
اور ماموں زاد، خالہ زاد بہن بھائیوں کے ساتھ کیسے وقت گزارا؟"
اب سب بچوں کی نگاہیں معیز کی طرف تھیں۔
''سر ان کے ساتھ خوب پب جی کھیلا۔ لیپ ٹاپ پر پوری رات ہم لوگ مووی دیکھتے تھے۔ نیٹ فلیکس سیریز مل کر دیکھنے کا تو مزہ ہی الگ ہے۔" معیز یہ سب بتاتے ہوئے بہت پُرجوش دکھائی دے رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس بار بھی اسے پورے پچیس میں سے پچیس نمبر ملیں گے۔
لیکن! یہ دیکھ کر معیز کے ساتھ ساتھ پوری جماعت کو حیرانی کا شدید جھٹکا لگا، جب سر نے بلیک بورڈ پر صفر لکھا۔
''اس کا مطلب ہے آپ نے نانی جان، ماموں جان اور خالا جان کے بچوں کے ساتھ اپنی چھٹیاں نہیں گزاریں، بلکہ موبائل، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ کے ساتھ چھٹیاں گزاری ہیں۔ اسی طرح آپ تفریحی مقامات پر اپنی پھوپھی زاد بہن بھائیوں کے ساتھ لطف اندوز ہونے کے لیے نہیں گئے، بلکہ سوشل میڈیا کے لیے وی لاگ اور ٹک ٹاک بنانے کے لیے اور لوگوں کے لائیک کمنٹس حاصل کرنے کے لیے اور اپنا وقت ضایع کرنے کے لیے گئے تھے۔''
سر محسن نے تأسف سے پوری جماعت کو دیکھا جو بری طرح سوشل میڈیا کے شکنجے میں جکڑ کر کھیل کود کی اہمیت وافادیت اور سیر وتفریح جیسی صحت بخش سرگرمیوں اور کچھ نیا سیکھنے کی امنگ سے بالکل نا آشنا تھے۔
''مطلب آپ نے اپنی پوری چھٹیاں سوشل میڈیا کے نظر کر دی، خوش قسمتی سے آپ تفریحی مقامات پر تو گئے، لیکن! یہ آپ کی نا اہلی ہے کہ آپ تفریح نہ کر سکے۔
''کیا مطلب سر! پھر ہم کیا کرتے؟''
شدید گرمیوں کے بڑے بڑے گرم دن، ہم باہر کرکٹ یا فٹبال کھیل کر یا چھت پر پتنگ اڑا کر تو نہیں گزار سکتے تھے نا؟ پھر ہم کیا کرتے، اگر یہ سب نہ کرتے تو؟"
نانی جان کے گھر معیز کے بڑے بھائی مزمل نے جو نہم جماعت کا طالب علم تھا، نانی جان کے غصہ کرنے پر انھیں یہ ہی جواب دیا تھا۔ نانی جان بچوں کے اسمارٹ ڈیوائس کے حد سے زیادہ استعمال پر بہت خفا ہوتی تھیں۔
معیز کی یادداشت میں بڑے بھائی کا نانی جان کو دیا جانے والا جواب محفوظ ہو گیا تھا، جو اس نے ویسا کا ویسا ہی جواب سر محسن کو دے دیا تھا۔
''گرمیوں کے گرم بڑے دن ہوں یا سردیوں کی بڑی سرد راتیں ہوں، ان میں گھر میں کھیلے جانے والے کھیل کھیلے جاتے ہیں، نت نئے کورسز کیے جاتے ہیں، نئی نئی چیزیں سیکھ کر ملک کا کارآمد شہری بنا جاتا ہے۔''
سر محسن نے معیز کا بدتمیزی بھرا لہجہ نظرانداز کرتے دھیرے سے سمجھایا۔
"تو سر! ہم نے گھروں میں کھیلے جانے والے کھیل (ان ڈور گیمز) ہی تو کھیلے تھے۔" سر کی بات پر معیز نے پے در پے جواب دیا۔
''جنہیں آپ گھروں میں کھیلے جانے والے کھیل سمجھ رہے ہیں، وہ گھروں میں کھیلے جانے والے کھیلوں کا ایک فیصد بھی نہیں ہیں۔''
سر نے ہاتھ کے اشارے سے معیز کو بیٹھنے کا کہا۔
''آپ اپنا زیادہ تر وقت، اسنیپ چیٹ، انسٹا، ٹک ٹاک، اسمارٹ فونز، لیپ ٹاپ، ٹیبلیٹ اور اس طرح کی دوسری اسمارٹ ڈیوائس اور ایپس کو دے کر یہ سمجھتے ہیں کہ آپ گھروں میں کھیلے جانے والے کھیل کھیل رہے ہیں۔۔۔ تو آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔''
سر کی بات پر طلبہ نا سمجھی سے سر کو دیکھنے لگے۔
''ان سب چیزوں کا حد سے زیادہ استعمال آپ کی ذہنی، جسمانی، اخلاقی نشوونما پر منفی اثرات مرتب کر رہا ہے۔''
یہ ہی وجہ ہے کہ آپ لوگ نہ صرف کھیلوں بلکہ تعلیمی میدانوں میں بھی پیچھے نظر آ رہے ہیں۔
کیوں کہ ان ڈیوائس اور ایپ نے ذہنی طور پر آپ کو مفلوج کر دیا ہے، آپ کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کم یا پھر ختم کر دی ہے۔"
سر محسن کی پوری کوشش تھی کہ بچے کھیل کود اور سیر وتفریح کی اہمیت افادیت سے اچھی طرح واقف ہو جائیں، کچھ نیا سیکھنے کی چاہ ان کے دل میں پیدا کر دی جائے۔
''یہی وجہ ہے کہ اس سال گرمیوں کی چھٹیوں میں آپ کو لکھنے پڑھنے کا نہیں، کھیلنے کودنے کا کہا جا رہا ہے، نصابی کتابیں پڑھنے کے بجائے مختلف ایسے کورس کرنے کا کہا جا رہا ہے، جن میں آپ کی دل چسپی ہے، تاکہ مزے مزے میں تفریح کے ساتھ ساتھ آپ کچھ نیا سیکھیں۔
تاکہ جب آپ لوگ چھٹیاں گزار کر آئیں تو ذہنی اور جسمانی طور پر تر وتازہ ہوں۔''
طلبہ کی حیرانی اور اُلجھن کافی حد تک کم ہو گئی تھی، انھیں اب تھوڑا تھوڑا سمجھ آ رہا تھا کہ سر نے چھٹیاں گزارنے کے لیے لفظ "الگ" کا استعمال کیوں کیا تھا۔
"اگر آپ زندگی میں کام یاب ہونا چاہتے ہیں تو آپ کو ذہنی اور جسمانی طور پر صحت مند طاقت ور اور مضبوط بننا ہوگا اور یہ سب کھیل کود سے ہی ممکن ہے۔"
"ذہنی اور جسمانی طور پر صحت مند ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی روزمرّہ کی زندگی میں سے کچھ وقت اسے کھیلوں کے لیے بھی نکالے جو نہ صرف آپ کو تفریح مہیا کرے، بلکہ ان کھیلوں کو کھیلنے سے ہلکی پھلکی ذہنی وجسمانی ورزش بھی ہو سکے۔''
سر محسن نے محسوس کیا کہ طلبہ ابھی بھی کچھ اُلجھن اور نا سمجھی کا شکار ہیں، انھیں مزید کھیل کود کی اہمیت وافادیت کی آگاہی دینا بہت ضروری تھا۔
''کھیل کود سے نہ صرف ذہنی اور جسمانی نشوونما میں بہتری آتی ہے، بلکہ ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں اور قابلیتوں میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔''
بات کے اختتام پر سر نے جماعت کے سب سے لائق طالبِ علم محمد مصطفٰی خان کو ہاتھ کے اشارے سے کھڑے ہونے کے لیے کہا جو کافی دیر سے مضطرب دکھائی دے رہے تھے، جیسے کچھ پوچھنا چاہ رہے ہوں۔ [جاری ہے ....]

بنت احمد

بلاعنوان

''نانی آ گئیں!! نانی آ گئیں!'' گیٹ میں داخل ہوتے ہی دانیال اور مریم شور مچاتے ہوئے آ کر لپٹ گئے۔ ''ارے اندر تو آنے دو۔'' اسماء کی آواز آئی اور سلام وغیرہ کچھ نہیں، اسماء نے دونوں کو ڈانٹا۔ ''ارے کوئی بات نہیں، بچے ہیں۔'' نانی نے کہا۔
''السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!'' پیچھے سے ارسلان کی آواز آئی، جو نانی کا بیگ لے کر آ رہے تھے۔ ''ارے اب تو نانی بہت دن رکیں گی۔'' بچوں نے بڑا سا جو بیگ دیکھا تو خوب خوش ہو کر شور مچانے لگے۔

اس مضمون کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 31 مئی ہے۔

سب اندر آ کر بیٹھے ایک دوسرے کی خیریت معلوم کی اسماء چائے وغیرہ بنانے لگیں، بچے نانی اور ماموں کے ساتھ لگ گئے چائے وغیرہ پی کر ارسلان جانے کے لیے اٹھ گیا: ''اچھا امی سب چیزیں تو رکھ لیں تھیں، کچھ رہ گیا ہو تو فون کر دیجیے گا۔'' ارسلان نے ماں سے کہا اور سلام کر کے رخصت ہوا۔ بچے نانی کے دائیں بائیں گھس گئے۔
''ارے! ابھی تھوڑا آرام کرنے دو۔'' اسماء نے کہا۔
''نہیں رہنے دو، کچھ دیر میں نماز کا ٹائم ہو جائے گا۔'' نانی نے منع کیا اور بچوں سے باتوں میں لگ گئیں۔ اسماء اپنے کاموں میں لگ گئی۔
رات کے کھانے سے فارغ ہو کر سب ایک ساتھ بیٹھے۔ آج کل بچوں کی چھٹیاں تھیں تو بچے بڑے خوش تھے، نانی سے کہانی سنیں گے۔
صفیہ بیگم کی ایک بیٹی اور دو بیٹے تھے۔ بیٹی اسما کے دو ہی بچے تھے۔ سات سالہ مریم اور چار سالہ دانیال۔۔۔ دونوں بچے نانی کے دیوانے تھے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے وہ دو دن تک رک کر گئیں تھیں تو بچوں نے وعدہ لیا تھا کہ وہ چھٹیوں میں رہنے آئیں گی تو وہ یہاں موجود تھیں وعدہ کی بنیاد پر۔۔۔
''ارے نانی! آپ کی نئی جائے نماز کتنی پیاری ہے اور اس میں تو خوشبو بھی آ رہی ہے اور آپ کی چادر کتنی پیاری اور اتنی زبردست خوشبو، واؤ!!! بچے بار بار خوشبو سونگھ رہے تھے۔ ''تمہیں اچھی لگ رہی ہے خوشبو؟'' نانی نے بچوں سے سوال کیا۔ ''بہہہہہت اچھی!!'' دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔ اچھا نانی مسکرائیں اور اپنا بیگ کھولنے لگیں، ''یہ لو بھئی!'' ایک گفٹ پیک مریم اور ایک دانیال کو دیا۔ ''ارے یہ کیا ہے!!'' بچوں نے جلدی جلدی گفٹ کھولنا شروع کیے تو ایک زبردست مہک کمرے میں پھیل گئی۔
مریم کے لیے ایک چھوٹا اسکارف، خوب صورت سی چھوٹی جائے نماز، ایک تسبیح کاؤنٹنگ والی اور ایک الگ سو دانوں والی تسبیح، ایک عطر کی شیشی۔ یہ ہی سب چیزیں دانیال کی بھی تھیں، بس اس کی ٹوپی تھی اسکارف کی جگہ خوب صورت سی اور ایک سفید شلوار قمیض نفیس سا، بچے تو خوشی سے جھوم اُٹھے اور نانی کو پیار کرنے لگے۔ ''نانی! یہ دو تسبیح کیوں؟'' بچوں نے سوال کیا۔
''بھئی! دانوں والی تسبیح میں روزانہ پہلا کلمہ، سبحان اللہ، الحمد للہ اور کاؤنٹنگ تسبیح میں روزانہ درود شریف، جتنا بھی پڑھ سکو، سب سے آسان اور چھوٹا (صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) اور جمعہ کی شب سے لے کر دوسرے دن جمعہ کی مغرب تک خوب درود شریف پڑھنا، بہت ثواب ہے۔'' نانی سمجھاتے ہوئے بولیں۔ پھر ایک پیکٹ بیٹی کی طرف بڑھایا، ''یہ تمہارے لیے۔''
''ارے امی! یہ سب۔۔۔ کیا ضرورت تھی!!'' اسما نے کہا اور بیگ کھولنے لگی، ایک نفیس سی نماز کی چادر جس میں خوشبو بسی ہوئی تھی۔ باقی سب وہ چیزیں تھیں، جو بچوں کے بیگ میں تھیں۔ ''چلو بچو! اب اپنی امی سے باتیں کرنے دو۔''
''مگر نانی! کہانیاں؟؟'' بچوں نے منہ بسورے۔ ''بھئی کہانی کل! بلکہ کہانی کی بک لے کر آئی ہوں۔'' صفیہ بیگم نے بیگ کھول کر ایک کتابوں کا گفٹ پیک بچوں کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ ''مریم خود پڑھنے کی کوشش کرو، میں بعد میں سناؤں گی۔ اب جاؤ دوسرے کمرے میں۔۔۔''
بچوں کے جانے کے بعد صفیہ بیگم نے بیٹی کو دیکھا، ''تم نے کہا کہ ان سب کی کیا ضرورت تھی تو بہت ضرورت تھی، تمہیں کچھ سمجھانا بھی ہے، تمہیں یاد ہوگا، میں پہلے جب آئی تھی تو سب کے روکنے کے باوجود ایک دن میں ہی واپس چلی گئی تھی، اس کی وجہ تھی کہ میرا دل بہت دکھا تھا، جب نماز کے لیے جائے نماز اور نماز کی چادر مانگی دل کُڑھ کر رہ گیا۔ جائے نماز گھسی ہوئی پرانی، نماز کی چادر پرانی گھسی ہوئی۔ بدبو آ رہی تھی۔ پتا نہیں کب سے استعمال نہیں ہوئی تھی، نماز پڑھنا مشکل ہو گیا تھا جائے نماز پر۔۔۔ سجدہ کرنا مشکل!! پتا نہیں کب سے نہ دھلی تھی، نہ استعمال ہوئی تھی۔'' صفیہ بیگم نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر بیٹی کو دیکھا جو حیرت سے انھیں دیکھ رہی تھی، پھر تسبیح کی حالت امام غائب کی طرح رنگ برنگے دانے۔۔۔ بچی کے پاس نماز کے لیے اسکارف نہیں، ٹوپی ندارد، نماز کے لیے شلوار قمیض تک نہیں، کس کس بات کا دُکھڑا روتی، اس وقت کچھ بھی کہنا مناسب نہیں لگا، پھر کچھ سوچ کر یہ سب سامان خریدا کہ ہدیہ

محنت کی کمائی

عظمیٰ ظفر

ساری رات ہلکی ہلکی سردی اور ہڈیوں کے درد سے اس بوڑھے وجود میں بے چینی اور حرکت ہوتی رہی، نہ وہ سوسکا اور نہ ہی اس نے اپنی بیٹی کو چین سے سونے دیا۔

ریلوے پھاٹک کے کنارے بنی کچی بستیوں میں ایک کچا گھر بشیر کا بھی تھا، جہاں پہلے اس کی بیوی نے کھانس کھانس کر جان دے دی اور اب بشیر چارپائی کو لگ گیا تھا۔ اکلوتی بیٹی شمو کو تنہا چھوڑ کر مرنے سے بھی خوف آتا تھا، جبکہ بھوک، بے روزگاری، بیماری اسے روز جیتے جی مار رہی تھی۔

"ابا۔۔۔ابا اُٹھ چاء پی لے۔"

شمو نے اسے آواز دے کر اٹھایا۔

بشیر کو بخوبی پتا تھا، اس بنا دودھ چینی کے قہوے میں صرف بیٹی کی محبت کی شیرنی گھلی ہے، لہذا وہ ہمت کر کے اٹھا اور سوکھی روٹی کے ساتھ چائے زہر مار کر پی لی۔ سر پر جب سورج کی تیز شعاؤں نے پھٹی جھگی سے اندر آ کر گرمی کا احساس دلایا تو بشیر کو یاد آیا کہ اس جھگی کی چھت نما چادر اب بہت جگہ سے پھٹ گئی ہے۔ شمو نے اپنی پلیٹ دوسری طرف کر لی، مگر یہ وقتی دھوکہ تھا، دن بھر دھوپ گھسی چلی آتی تو ساتھ ساتھ مکھیوں کی یلغار بھی ہوتی مٹی دھواں کن من بارش کی اپنی مرضی تھی، جب دل چاہتا چلی آتیں۔ بشیر کچھ دنوں سے سوچ رہا تھا کہ لنڈے سے کوئی سستی موٹی چادر مل جائے تو وہ اسے ٹھیک کر لے، مگر اس کے لیے بھی کچھ پیسے درکار تھے جو وہ جمع ہی نہیں کر پا رہا تھا۔

بشیر نے معصوم شمو کی طرف نظر کی تو دل مسوس کر کے رہ گیا اور اس نے کام پر جانے کی ٹھان لی، تین دن سے گھر میں پڑے پڑے اب فاقوں کی نوبت آنے والی تھی۔

"شمو! چل اُٹھ جا کر جھولے میں تیل ڈال دے

بھی ہو جائے اور بچوں میں شوق بھی پیدا ہو، یاد کرو نماز کے لیے چادر کب خریدیں تھی۔ سالوں گزر گئے! اور سال میں جوڑے کتنے بنتے ہیں؟؟ گھر میں ہر چیز عمدہ سے عمدہ ماشاءاللہ!! اللہ اور برکتیں دے۔ ماشاءاللہ سے گھر کے کھانے کے برتن الگ۔ مہمانوں کے لیے الگ خوب صورت ڈنر سیٹ!! اچھی بات ہے۔ مہمانوں کا اکرام ہونا چاہیے، سب کچھ اچھا ہو، لیکن! جس رب نے سب کچھ دیا، اس کے سامنے کس حلیہ میں کھڑے ہیں؟ کیا اس چادر کو پہن کر مہمانوں کے سامنے جاؤ گی؟ بازار جاؤ گی رات کے پہنے ہوئے کپڑے پہن کر؟؟ دو رنگ کے کپڑے پہن کر نماز۔۔۔ اس رب کے سامنے کوئی شرم نہیں، پسینہ کی بو بسی پہنے کپڑے، بس ایک بوجھ اتار دیا۔ نماز تو ہو جائے گی، مگر ہماری محبت کا تقاضا کیا ہے؟ میں نے تو ایک جگہ پڑھا تھا کہ جو کپڑے پہن کر ہم لوگوں کے سامنے جانے میں شرم محسوس کرتے ہیں تو ان کپڑوں میں نماز پڑھتے ہوئے بھی سوچنا چاہیے، اللہ کو ہماری ان چیزوں کی حاجت نہیں، بس پاکی شرط ہے، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سب کاموں کے ساتھ نمازوں کے لیے اہتمام ہو، نماز کی چادر صاف ستھری، خوشبو لگا کر جائے نماز پر خوشبو، خاص سجدے کی جگہ پر۔۔۔ کہ خود کو ایک کیف، ایک سرور محسوس ہو۔

پھر اللہ نے اتنا بڑا گھر دیا ہے، ماشاءاللہ! سب کے بیڈروم سیٹ ہیں، ہر چیز اپنی جگہ مکمل! مگر کیا ایک کمرہ یا چلو کمرہ نہ صحیح ایک جگہ نماز کی بنا کر، اس میں ایک دو جائے نماز بچھا کر ایک چھوٹی تپائی پر قرآن مجید، تسبیح، نماز کی چادر، ٹوپی، مریم کا اسکارف، طریقے سے یہ سب چیزیں رکھی ہوں، اس جگہ کو مسجد کے قائم مقام سمجھا جائے۔ دعا پڑھ کر اس جگہ سیدھا پیر رکھیں، نفلی اعتکاف کی نیت کرو، بچوں کو بھی خوب عادت ڈالو۔ اس جگہ جتنی دیر رہو گی مفت کا ثواب، مگر یہ سب تو فکر پر ہے، ہمارا مقصدِ زندگی کیا ہے؟ اس کو بھول ہی گئے۔"

صفیہ بیگم ایک تسلسل سے بولتی چلی گئیں۔ ان کے لہجے میں دُکھ چھلک رہا تھا۔ اسماء حیرت سے امی کو دیکھ رہی تھی، پھر کم زور سے لہجے میں بولی: "امی! آپ دیکھیں میری روٹین، کاموں سے ہی فرست نہیں ملتی!" اسماء نے کم زور سے لہجے میں دلیل دینے کی کوشش کی۔۔۔

"رہنے دو یہ بے کار کی باتیں! بازار جانے کا ٹائم ہے، فون کیلئے ٹائم ہے، نت نئی ڈشیں بنانے کا ٹائم ہے، سب چیزوں کے لیے وقت نکل جاتا ہے۔ بس دین کے لیے ٹائم نہیں ہے۔ یہ سب کس کے لیے کر رہی ہو؟ اپنے لیے کیا کر رہی ہو؟" صفیہ بیگم بڑے دکھ سے بول رہی تھیں۔ "آج جان نکل جائے تو کیا لے کر جائیں گے؟ جب نہ اپنے دین کی فکر کی، نہ اپنے بچوں کے لیے فکر کی، کیا یہ بچے کل کو صدقہ جاریہ بنیں گے، جن کے دین کی فکر ہی نہیں کی؟ زیادہ دکھ کی بات تو یہ ہے کہ تم تو ان سب چیزوں کی عادی رہی ہو، تمہاری یہ تربیت تو نہیں کی تھی، پھر یہ سب کیا ہے؟ بچے کیا سیکھ کر بڑے ہوں گے؟ اسی لیے بچوں کو کمرے سے باہر بھیجا ہے کہ ان کے سامنے یہ سب باتیں مناسب نہیں تھیں۔ چلو جاؤ، آرام کرو۔" ماں نے بیٹی کو شرمندہ اور سوچ میں گم دیکھ کر مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔

"نہیں امی! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں کوشش کروں گی انشاءاللہ آپ کی باتوں پر عمل کرنے کی۔" اسماء نے مسکرا کر ماں کو دیکھا اور سلام کر کے باہر نکل گئی۔ وہ بھی سونے کی تیاری کرنے لگیں۔

دوسرے دن دوپہر میں بچے بڑے خوش خوش آئے۔

"نانی آپ کو کچھ دکھانا ہے، چلیں!" ہاتھ پکڑ کر برابر کے کمرے میں لے گئے، جو بچوں کا کمرہ تھا۔ داخل ہوتے ہی حیرت اور خوشی کا جھٹکا لگا، کمرہ کیا تھا گویا مسجد! ایک طرف بڑی اور چھوٹی جائے نماز بچھی ہوئی، ایک ٹیبل پر قرآن وغیرہ اور بہت معطر خوشبو سے کمرہ مہک رہا تھا۔ غرض جو تصور وہ کرتی تھیں، ویسا ہی منظر تھا، ان کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔

"اور پتا ہے آج شبِ جمعہ لگ جائے گی تو مغرب کے بعد سے یہاں بیٹھ کر درودِ پاک پڑھنا ہے، خوشبو لگا کر۔۔۔" مریم نے بڑے جوش سے بتایا۔ انھوں نے آگے بڑھ کر بیٹی کو گلے لگا کر ماتھے پر پیار کیا اور سر پر ہاتھ رکھا! "امی! ان شاءاللہ اب آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔" اسماء نے انھیں پیار کیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ صفیہ بیگم نے ایک طویل سانس لی اور شکرانے کے نفل پڑھنے کے لیے جائے نماز پر پیر رکھے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۔۔۔۔

میں آج باہر لے کر نکلوں گا، جا میرا پتر شاباش!"

"پر ابا! تو تو بیمار ہے، کیسے جائے گا، آج رہنے دے۔" شمو نے منع کرنا چاہا۔ "آج وہ پارٹی والے آئیں گے ووٹ مانگنے آج کام ہوگا، پچھے والے میدان میں جھاڑو ڈالوں گی، کچھ پیسے مل جائیں گے تو فکر نہ کر۔" شمو نے باپ کو تسلی دی۔ "نہ، نہ پتر! جھولے کا کرایہ بھی دینا ہے تو گھر پہ رہ، میں آج کھانا لاؤں گا اور اس چھت کا بھی کچھ بندوبست کرتا ہوں تو اپنا خیال رکھنا۔"

ڈولی والے جھولے کو بمشکل کھینچتا بشیر ریلوے پھاٹک سے دور لگے سرکس میں لے آیا، جہاں اسے اپنی مخصوص جگہ پر جھولا کھڑا کرنے کے بھی پیسے دینے تھے۔

"سلام چاچا! آج کیسے آ گیا خالی خولی جھولا لے کر، اب نہیں بیٹھنے والا کوئی تیری ڈولی پر۔" شیرو نے بشیر کو دیکھ کر سلام کیا اور ساتھ ساتھ ڈرا بھی دیا۔ "ویسے کیا حال ہے اب تیرا۔" شیرو نے گارڈ والی ٹوپی سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام، اچھا ہوں پتر! تو سنا سب ٹھیک ہے نا، ایسے کیوں بول رہا ہے۔"

"کیا ٹھیک ہونا ہے چاچا! اپنی تو روزی روٹی ہر جگہ سے اٹھنے لگتی ہے، سنا ہے کسی پارک میں جھولا گر گیا، ایک بچی مر گئی، اب ہر جگہ سختی ہو رہی ہے۔ یہ سرکس بند کروا رہے ہیں۔ پارٹی والے بندے آئے تھے، وہ اب یہاں جلسہ کریں گے، آدھا خیمہ خالی ہو گیا ہے چاچا! تو بھی کوئی اور جگہ دیکھ اور ہاں جو پارٹی جلسہ کر رہی ہے، ووٹ بھی اس کو دینا ہے، ورنہ۔۔۔" شیرو نے اپنے ڈنڈے کو ہاتھ پر ہلکے سے مارتے ہوئے کہا، سمجھ گئے نا چاچا۔

"ہاں پتر! سمجھ تو گیا ہوں، پر سرکس نہیں لگے گا تو جھولا کیسے چلے گا، اور میری دھی بھوکی مر جائے گی، میری ہڈیوں کا بخار بھی جان نہیں چھوڑتا جو دوسرا کم کروں۔" بشیر رو دینے کو تھا جو آس لے کر وہ پھٹی جھگی سے نکلا تھا، کڑکتی دھوپ میں وہ آس بھی ختم ہو گئی تھی، جگہ جگہ سرکس والوں کے ساتھ صبح سے لے کر رات تک وہ ڈولی والے جھولے کو چلاتا تھا، جتنی دیہاڑی بنتی اس میں سے جگہ کا کرایہ، جھولے کا کرایہ، پولیس کا بھتہ دے دلا کر چند سو بنتے جس سے وہ اپنا اور شمو کا پیٹ بھرتا تھا، اب تو اسے ہر طرف کی فکر نے آ گھیرا تھا۔

"او چاچا، اتنا مت سوچ! جس نے پیدا کیا ہے، کھلائے گا بھی وہی تو یہ ہزار روپے رکھ لے بعد میں واپس کر دینا۔" شیرو نے ایک مسئلہ حل کیا تھا، یہ لین دین دونوں میں چلتی رہتی تھی، اس لیے بشیر نے بھی نوٹ لینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ سورج سوا نیزے پر تھا۔ بشیر کو پھر سے جھگی کا خیال آیا، آگے بارش بھی آنے والی تھی، کچھ اس کا بھی بندوبست کرنا پڑے گا۔ ایک ایک کر کے سرکس والے اپنا سامان لپیٹ رہے تھے، دوسری طرف سوزوکیوں میں پارٹی والوں کو سامان آنے لگا اور پنڈال کی تیاری ہونے لگی۔ کرسیاں، بینرز، لائٹیں شام ہوتے ہوتے ہلچل سی مچنے لگی، سب ترتیب دیا جانے لگا۔

"او بابے! چل یہ کرسیاں اس قطار میں سیدھی رکھ۔" ایک کڑیل جوان نے اپنی موچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔"

بشیر نے اس کی طرف دیکھا، شیرو نے بھی سر ہلا دیا۔ "ہاں چاچا! چل کام کر کام، کھانا ملے گا مرغ اور نان، چل شابا، آ جا میرے نال!" حسب عادت اس نے اپنی ٹوپی سیدھی کی۔

"ہاں ہاں چاچا! پیٹ بھر کے کھانا، اپنا لیڈر بڑے دل کا مالک ہے۔" نوجوان نے موچھوں کو پھر گھمایا۔

بھاری بھرکم کرسیوں کو وی آئی پی جگہ پر ترتیب دے کر پچھلی قطار میں ٹوٹی کرسیوں کو کھڑا کیا۔ برقی قمقمے اور گہما گہمی نے میلے کا سماں پیدا کر دیا تھا، اکا دکا لوگ بھی آنے لگے تھے۔

بشیر کام مکمل کر کے جیسے آگے بڑھا، اس نوجوان نے بینرز لگانے کا کام بھی اسے تھما دیا۔ "ان بانس کے کھمبوں پر اسے باندھ دینا۔" چھوٹے بڑے پینا فلیکس کے بینرز کا ڈھیر بشیر کے سامنے تھا:

"روٹی کپڑا اور مکان"

"تبدیلی کے نعرے"

"ارمانون کی پتنگ" سب گڈ مڈ پڑے تھے۔

بینرز کی چھانٹی کر کے اس نے بشیر کو تھمائے: "جلدی جلدی ہاتھ چلا چاچا! لگتا ہے تیری ہڈیوں میں جان نہیں۔" وہ موچھوں کو تاؤ دیتا ہوا ہنس پڑا۔

"پتر! اس کام کے تھوڑے سے پیسے مل جاتے تو مہربانی ہوگی۔" بشیر نے اس کی بات کا برا منائے بغیر لجانیت سے کہا۔ "کیا بات ہے چاچا! یہ کام ہی کیا تھا، اس لیے تو تم لوگوں کی حالت نہیں بدلتی، بھوکے ننگے مانگتے ہی رہنا ساری زندگی۔" رعونیت سے کہتا وہ دوسری جانب بڑھ گیا۔

قورمے اور نان کی مہک نے اسے بھی اپنی طرف متوجہ کیا تھا، وہ اس طرف کا نظام دیکھنے چلا گیا۔

زمین پر رہنے والے کی عزتِ نفس پر ایسی ضرب لگی تھی کہ درد اور بھوک سے ایک آنسو ٹپک پڑا تو آسمان نے اپنا رنگ بدل دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تیز ہوا نے ایسا کام دکھایا کہ پنڈال کا نقشہ بدل گیا، کرسیاں اُلٹ گئیں، بینرز زمین پر آن گرے، ورکرز اسٹیج چھوڑ چھاڑ بھاگنے لگے، بارش نے اور بھی جلسے کا مزا کرکرا کر دیا، پکوان والوں نے بھی دیگیں واپس اٹھا لیں۔

"چلو یار، جلسہ کینسل! کل دیکھا جائے گا، گھر کو چلو۔" کسی نے اونچی آواز سے کہا۔

"پتر! ان کا کیا کروں؟" بشیر نے پینا فلیکس اور بینرز کی طرف اشارہ کیا، بارش سے سب بھیگ رہے تھے۔

"یہیں پڑے رہنے دو چاچا! کل کی کل دیکھی جائے گی۔ اپنا کون سا جیب سے خرچ ہوا ہے جو سنبھالتے پھریں اس کچرے کو۔" دوسرے لڑکے نے آگے بیٹھ کر ایک چھوٹے پینا فلیکس کو سر پر چھتری کی طرح پھیلا لیا اور شوخی سے بولتا ہوا آگے نکل گیا۔

"اپنا لیڈر آوے ہی آوے"

پینا فلیکس کے اس طرح استعمال کو دیکھ کر بشیر کی آنکھیں بھی چمک اٹھیں۔ کسی کے لیے یہ بے کار سامان تھا اور بشیر کے لیے سر چھپانے کا آسرا، پھٹی جھگی کی چادر وہ بدل تو نہیں سکتا تھا، مگر پیوند تو لگا سکتا تھا، وہ بھی خوشی سے آگے بڑھ گیا۔

"چاچا یہ دیگ کو ہاتھ لگا دے، سوزوکی میں ڈالنا ہے۔" کسی نے اسے آواز دی۔

"اچھا بیٹا!" بشیر نے گرم دیگ کو ہاتھ لگایا اور گرم خوشبو کی حرارت اندر اتار لی۔

"چاچا! یہ کھانا رکھ لے۔" اس پکوان والے نے چار نان اور تھوڑا سا سالن تھیلی میں ڈال کر اسے پکڑایا۔

پھر بشیر نے بھی گھر کی راہ لی۔ عزت دینے والے کے ہاتھ میں ذلت دینے کی بھی مرضی ہوتی ہے۔ کھانے کے ساتھ اس کے ہاتھ میں چند پینا فلیکس بھی تھے، جس سے وہ اپنی پھٹی جھگی کو ڈھانپ سکتا تھا، یہ سوچ کر وہ خوشی خوشی گھر کی جانب چل پڑا، کیوں کہ یہ اس کی محنت کی کمائی تھی۔

ممتا

ارم شمیم

ہم ایک نوجوان کا دلچسپ سبق آموز واقعہ تحریر کر رہے ہیں

یہ واقعہ اسی نوجوان کی زبانی ملاحظہ ہو

میری شادی کو اکیس سال گزر چکے تھے، میں نے آج اپنی زندگی کا ایک انوکھا اور نرالا تجربہ کیا۔ ماضی میں ہمیشہ اپنی بیوی کے ساتھ ہی گھر سے نکلتا، ہم دونوں سیر کے لیے جاتے اپنی پسند کے ریسٹورنٹ میں کھانا کھاتے، ہماری شامیں عموماً پارکوں اور باغوں میں گزرتیں، لیکن آج میں اپنی بیوی کے علاوہ ایک اور خاتون کے ساتھ ریسٹورنٹ جارہا تھا اور اس خاتون کے ساتھ باہر جانے کا مشورہ بھی کسی اور نے نہیں بلکہ خود میری بیوی نے ہی دیا تھا۔ ایک دن وہ مجھ سے کہنے لگی: ”مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ اپنی والدہ کے ساتھ کتنی محبت کرتے ہیں، آپ ایک شام اپنی والدہ کے ساتھ گزاریں۔ انھیں بیوہ ہوئے انیس سال گزر چکے ہیں اور وہ اپنے گھر میں اکیلی ہی رہتی ہیں۔ ہر چند انسان کو اپنی والدہ سے خوب محبت ہوتی ہے، مگر یہ دنیا بڑی عجیب ہے انسان اپنے کاموں میں اس طرح پھنس جاتا ہے کہ صبح شام ڈیوٹی میں مصروف، بچوں کی ذمے داریاں، گھر میں مہمانوں کی آمدورفت۔۔۔ کم ہی موقع ملتا ہے کہ اپنی والدہ کے پاس جا پائے، پھر بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ان سے رابطے میں رہیں۔ میں بھی کہیں آتے جاتے تھوڑی دیر کے لیے ان کے پاس دل جوئی کے لیے ٹھہر جاتا اور پھر جب میں نے ایک دن ان کو فون کیا کہ اماں جان آج میں اور آپ اکٹھے رات کا کھانا کھائیں گے تو انھیں اپنے کانوں پر یقین نہ آیا اور وہ مَسرّت بھرے لہجے میں کہنے لگیں: ”کیا بات ہے، تم ہوش میں تو ہو؟“ میں نے کہا: ”جی اماں جان! ہر طرح کی خیریت ہے۔ آج میرا جی چارہا تھا کہ میں آپ کے ساتھ ریسٹورنٹ جاؤں اور آپ کی پسند کا کھانا کھاؤں۔ کچھ دیر صرف میں اور آپ ہی ہوں۔ باتیں کریں اور اپنے ماضی کی بھولی بسری یادیں دہرائیں۔“

والدہ صاحبہ فون پر کچھ دیر خاموش رہیں، غالباً وہ کچھ سوچ رہی تھیں اور پھر بے حد خوشی کے ساتھ انھوں نے میری پیش کش قبول فرمالی۔ کہنے لگیں: ”اگر تمھاری خوشی ہے تو پھر میں تیار ہوں۔“ چناں چہ میں بھی خوشی سے سرشار ہوگیا اور شام کا انتظار کرنے لگا۔ آج دفتر سے آدھی چھٹی تھی، میں وقت سے کچھ پہلے ہی والد کے گھر پہنچ گیا۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ کچھ اندیشوں اور کچھ اشتیاق کے ملے جلے جذبات کے ساتھ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا، میں نے دیکھا کہ وہ میرے انتظار میں تھیں۔ نہایت خوب صورت لباس میں آج وہ پہلے سے کہیں زیادہ ہشاش بشاش نظر آرہی تھیں۔ غالباً یہ لباس میرے والدِ محترم نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ہی خریدا تھا۔ والدہ مجھے دیکھ کر مسکرائیں، کہنے لگیں: ”آج میں نے اپنے سارے جاننے والوں کو بتایا ہے کہ آج میں اپنے بیٹے کے ساتھ رات کا کھانا کھانے جارہی ہوں، سبھی نے بے پناہ مَسرّت کا اظہار کیا۔ عشائیے سے واپسی پر ان کو خوب مزے لے لے کر بتاؤں گی کہ ہم کھانے کے لیے کہاں گئے اور کیا کیا کھایا۔“ ہم ماں بیٹے درمیانے درجہ کے ایک ریسٹورنٹ میں چلے گئے یہ میرا دیکھا بھالا ریسٹورنٹ تھا۔ وہاں مکمل خاموشی تھی، والدہ نے میرا بازو تھام رکھا تھا، ان کے چہرے پر بڑا اطمینان تھا اور وہ بہت خوش نظر آرہی تھیں۔ ہم دونوں کھانے کی میز پر بیٹھ گئے تو بیرے نے مینیو کارڈ لا کر ہمارے سامنے رکھ دیا۔ والدہ کی نظر کم زور ہوچکی تھی، اس لیے وہ اب باریک حروف پڑھنے کے قابل نہ تھیں، میں نے ان کو مینیو پڑھ کر سنانا شروع کردیا، جب میں پڑھ رہا تھا تو وہ مسکرا کر کہنے لگیں: ”بیٹا! جب تم چھوٹے تھے، تمہارے لیے میں مینیو پڑھا کرتی تھی اور پوچھا کرتی تھی تمھیں کھانے میں کیا پسند ہے اور جو تم کھانے میں پسند کرتے وہی منگوالیا جاتا۔“ والدہ صاحبہ کی موجودگی میں کھانا بہت ہی مزے دار ہوگیا تھا۔ ہم نے اپنی پسند کے کھانے منگوائے اور خوب سیر ہوکر کھانا کھایا۔ کھانے کے دوران میں ان سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا اور وہ میرے بچپن کی باتیں مجھے سناتی رہیں۔ ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ہمیں کھانے کے دوران باتوں کی وجہ سے وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوا کہ آدھی رات ہوچلی ہے۔ آج ہم دونوں بڑے خوش تھے، ہم نے بڑا خوب صورت وقت گزارا، واپسی پر جب انھیں گھر پر اتارا تو انھوں نے میرا بازو تھام لیا اور کہنے لگیں: ”میری ایک بات مانو گے؟“ وہ گویا ہوئیں۔

”کیوں نہیں اماں جان! آپ حکم کریں۔“ میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہم ایک مرتبہ پھر آج کی طرح اکٹھے کھانا کھائیں گے، مگر شرط یہ ہوگی کہ اس روز کھانے کا بل تم نہیں، میں ادا کروں گی۔“ میں نے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور سر اثبات میں ہلا دیا اور اپنے گھر روانہ ہوگیا۔ چند دن گزرے تھے کہ والدہ صاحبہ کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ آناً فاناً ہمیں روتا ہوا چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ یہ سب کچھ اچانک ہوا، ہم اس کے لیے قطعاً تیار نہ تھے، لوگ تعزیت کے لیے آئے اور چلے گئے، ہم ان کی باتیں یاد کر کے روتے رہے، وقت کا پہیا بڑی تیزی سے حرکت کرتا رہا، والدہ صاحبہ کی وفات کو چند دن گزرے تھے کہ جس ریسٹورنٹ میں ہم نے کھانا کھایا تھا، وہاں سے مجھے ڈاک کے ذریعے ایک لفافہ موصول ہوا، میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ اسے کھول کر دیکھا والدہ صاحبہ نے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہوا تھا: ”بیٹے! میں نے دو افراد کے کھانے کا بِل پیشگی ادا کردیا ہے۔ میری خواہش ہے تم اور تمہاری بیوی اس ریسٹورنٹ میں میرے ذاتی خرچ پر کھانا کھاؤ۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ اس کھانے میں شامل نہیں ہو پاؤں گی۔ میرے بیٹے! اس روز تمہارے ساتھ کھانا کھانے کا بہت مزا آیا اور اس دن مجھے پھر سے انداز ہوا کہ میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔ تم دونوں میاں بیوی ڈنر کرو، مجھے اس سے خوشی ہوگی، میری تمنّا ہے کہ تمہاری زندگی ہمیشہ خوش گوار گزرے۔“

میری آنکھوں سے بے اختیار چند قطرے گر پڑے، ماں تم کتنی محبت کرنے والی تھیں۔

یہی وہ نوخیز جوان تھا، جس کی گاڑی بھرپور رفتار سے سڑک پر دوڑ رہی تھی، اچانک اس کی کار سامنے سے آنے والے ٹرک کے نیچے آگئی۔ اس سے پہلے کے لوگ اس کے پاس پہنچتے، پیٹرول کی ٹنکی پھٹی اور اس کی کار کو آگ لگ گئی۔ چند لمحات کی بات تھی کہ آگ نے اس کی کار کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ حادثہ اتنا خوف ناک تھا کہ جو دیکھتا دہشت زدہ ہوجاتا۔ تھوڑی ہی دیر میں سڑک پر بڑا ہجوم ہوگیا۔ لوگ اپنی گاڑیوں سے اتر کر یہ منظر دیکھنے لگے، کچھ باہمت نوجوان آگے بڑھے اور اسے کار سے نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ سب کے ذہن میں یہی بات آرہی تھی کہ گاڑی میں موجود نوجوان بری طرح جھلس چکا ہوگا، جب وہ کار کی طرف بڑھے تو انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنا خوف ناک حادثہ اور پھر بھی نوجوان بالکل صحیح سلامت! یہ منظر دیکھ کر تمام لوگوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نوجوان کے قریب آیا اور پوچھنے لگا کہ کیا تم نے ایسا کوئی نیک عمل کیا ہے، جس کے بارے میں تمھیں یقین ہو کہ اس کی بدولت تمھیں حق تعالیٰ نے اس بھڑکتی آگ میں بھی محفوظ رکھا۔

نوجوان نے جواب دیا: ”میں سعودی عرب کے مشہور شہر جدہ میں کام کرتا ہوں، ایک بار جب مجھے تنخواہ ملی تو میں جدہ سے سیدھا اپنی والدہ کے پاس پہنچا۔ میری والدہ رابغ میں مقیم تھیں۔ میں نے اپنی تنخواہ والدہ کی جھولی میں ڈال دی۔ والدہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، وہ بے حد خوش تھیں کہ میرا بیٹا کتنا فرماں بردار اور ماں سے کتنی محبت کرنے والا ہے، پھر میری والدہ نے دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھا دیے، وہ میرے لیے ڈھیروں دعائیں کر رہی تھیں۔ والدہ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: ”میرے اللہ میرے لختِ جگر کو ہمیشہ اپنی حفظ وامان میں رکھنا۔“ بس! میرے رب نے میری والدہ کی دعا کو میرے حق میں قبول فرمالیا۔ میں نے اپنی والدہ کو راضی کیا اور آسمانوں والے نے مجھے ایک بڑی مصیبت بلکہ یقینی موت سے نجات عطا فرمادی۔

یہ واقعہ کتاب ”والدین کی اطاعت اور نافرمانی“ سے لیا گیا ہے۔

سسکتا دل

اریشہ امجد

اپنے کم زور ہاتھوں سے رقم وصول کرتے ہوئے کریم دین کا دل سو بار کانپا تھا۔ زندگی گزارنے کا اِک واحد آسرا جس کی چابی آج کسی اور کو تھما دی گئی۔

ہاں! آج کریم دین گھر سے بے گھر ہوگیا تھا۔ صبر کی انتہا اور کیا ہوگی، جب ہم اپنے سر کی چھت اپنے ہاتھوں سے کسی کی نظر کردیں، فقط اس لیے کہ ہم غلام ہیں؟ رواج دنیا کے!! کاش کہ ایک غریب کے دل کی پکار کوئی سن سکتا؟

ہائے کریم دین! تیرے ابا نے خود کو بیچ کر اس گھر کی تعمیر کروائی تھی۔

ماں کی صدائیں!!!

”تیری بیٹی کے سر کی چھت تھی کریم دین!“ بیوی کی پکار!!

کریم دین کا دماغ پھٹنے لگتا، قریب تھا کہ آنسو گالوں پر بہ جاتے، کسی نے پکارا: ”ہاں تو کریم دین! اب مکان خالی کردے، میری بھی سو ضرورتیں ہیں کرائے پر چڑھاؤں گا۔“

”ان شاء اللہ کل تک کردوں گا۔“ کریم دین بجھی ہوئی آواز سے کہہ کر چل پڑا۔

گھر خالی کر کے آج کریم دین کرائے کے مکان میں آپہنچا تھا، اس گھر سے کچھ دن بعد رعنا نے رخصت ہونا تھا اور گھر میں سناٹے چھائے ہوئے تھے۔ آنسو حلق میں بہ کر اب آنکھوں سے نکلنے کو بے تاب تھے۔ کریم دین کی نیندیں اڑسی گئی تھیں اور کریم دین زندگی کے جو شیریں خواب دیکھا کرتا تھا، وہ مٹی میں مل گئے تھے۔ وہ دل میں رب سے شکوہ کیا کرتا، مگر دل سے آواز آتی:

”شاید تمھیں رب آزما رہا ہو کہ تم صبر کرتے ہو یا شکایت، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دے کر بھی آزماتے ہیں اور لے کر بھی آزماتے ہیں۔“ اور رب آزماتا بھی تو اپنے محبوب بندوں کو ہے، مگر کریم دین ماں کا کملایا چہرہ دیکھ کر مغموم ہوجاتا۔

اور دل چلّاتا پکارتا کہ کہاں ہے وہ اسلام؟ جس میں جہیز کا سبق نہیں دیا گیا۔

اور کہاں ہیں وہ مسلمان؟ جو کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے۔ کتنے دن گزر گئے، اس زمین نے اس غریب کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھی، آسماں نے اس رسم پر غریب کو خستہ حال نہیں دیکھا۔ کریم دین کو اس دنیا کے جمگھٹے میں کوئی مصاحب نہ ملا تو جا کے مکان بیچ آیا۔ ماں نے کہا کہ ”بیٹے! تُو تو چھت کا سودا کرآیا۔“

”اماں انھوں نے گھر کی قیمت لگائی تھی، میری لگاتے تو بیٹی کی خاطر میں خود بھی بِک جاتا۔“ کریم دین کے گھر کی شوکت تاراج ہوگئی تھی۔

”کریم دین بیٹی کو زیور تو دے گا نا، دیکھ جہیز تو تیری بیٹی کی ضرورت ہے، مگر زیور نہ دیا تو ہم دنیا والوں کو کیا منہ دکھائیں گے؟ کریم دین ہال کی بکنگ کروانا، ہم بارات کے ساتھ زیادہ بندے لائیں گے، کھانے میں میٹھا بھی رکھوانا، خوشی کا موقع ہے۔“ کریم دین کا جگر پاش پاش ہوجاتا۔ بیٹے کو بکھرتا دیکھ ماں کا دل پسیج جاتا۔ بیوی بیٹی پیدا کرنے پر خود کو کوستی، مگر بیٹی کے سسرالیوں کی فرمائشیں ختم نہ ہوتیں۔

”ابا تو سڑک پر آگیا، صرف میرے جہیز کی خاطر؟“ بیٹی کی خاموشی ٹوٹ گئی تو وہ چلّا اٹھی۔ کریم دین نے بیٹی کو پاس بٹھایا، اس کی آنکھوں میں شکایت تھی۔۔۔۔

”ابا! میں تو تیرے لیے بوجھ بن گئی۔“ رعنا نے آزردہ ہو کر کہا۔

”نہیں میری دھی! تو ٹھنڈک ہے میرے دل کی، یہ سب کچھ تیرے جہیز کے لیے نہیں، تیری خوشی کے لیے کیا ہے۔

”ابا! کیا میری خوشی تیری بربادی میں ہے؟“

بیٹی کی بات پر کریم دین کا دل ڈھیر ہوگیا۔ دل میں بہتے آنسو آنکھوں سے نکل پڑے۔

”بیٹا مجبور ہوں۔۔۔۔۔“

آواز کپکپانے لگی ”مجبور ہے تیرا باپ، مجبور ہے۔۔۔۔“

”یہ سخن ساز لوگ خالی ہاتھ نہ تجھے جینے دیں گے، نہ تیرے باپ کو!! میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی دنیا کے طعن برداشت کرے تو دل چھوٹا نہ کر تیرا باپ بڑے صبر والا ہے۔“

آج ایک اور بیٹی رخصت ہوئی تو باپ مقروض ہوگیا۔۔۔۔

ہاں! آج کریم دین کی رعنا لاکھوں کا جہیز لیے رخصت ہوگئی تھی۔ ظالم سماج نے جہیز کو لازمی بنا کر غریب کی کمر توڑ دی ہے۔

اِک باپ کی دُکھوں میں نکلی ہوئی، لرزتا جسم، پریشان چہرہ، کوئی تو دیکھے! سنیں اور بچائے انھیں کہ ایک غریب میں اتنی طاقت کہاں کہ بیٹی کو بھاری جہیز دے؟

کم عمر بہادر

بنت تاجور

مدینہ منورہ میں حق و باطل کے درمیان پہلی جنگ ''غزوۂ بدر'' کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ دینِ اسلام اور حضرت محمد ﷺ کی محبت میں سرشار تمام انصاری نوجوان بڑھ چڑھ کر اپنا نام لکھوا رہے تھے۔ ان میں ایک چودہ سالہ لڑکا بھی تھا، جسے کم عمری کی وجہ سے چاہ کر بھی جہاد میں شرکت کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ غزوۂ بدر میں چوں کہ وہ 14 سال کے تھے، آں حضرت ﷺ کے سامنے لڑائی میں شریک ہونے کے ارادہ سے حاضر ہوئے آپ ﷺ نے انھیں کم سن خیال کر کے واپس کر دیا۔

پیارے نبی ﷺ کے سامنے انصار کے لڑکے ہر سال جہاد میں حصہ لینے کی غرض سے پیش ہوتے تھے، سو اگلے سال غزوۂ اُحد کے موقع پر ان کا شوقِ جہاد انھیں پھر پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں لے آیا۔ اس وقت یہ پندرہ سال کے ہو چکے تھے۔ ان کے والد صاحب حضرت خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیارے نبی ﷺ کے حضور سفارش کرتے ہوئے کہا کہ "میرا بیٹا تیر اندازی جانتا ہے۔" ادھر یہ بھی جہاد کے شوق میں اپنے پاؤں کی انگلیوں پر کھڑے ہو گئے، تاکہ بڑے لگیں۔ اس کم عمر لڑکے کا جذبۂ جہاد، جوش و ولولہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے اسے منتخب کر لیا۔ جہاد کے شوق سے سرشار یہ کم سن انصاری صحابی اور جانثار رسول ﷺ مدینہ کے رہائشی رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آباواجداد بنو حارثہ کے رئیس اور سردار تھے، باپ اور چچا کے بعد یہ سرداری حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آئی اور وہ تمام عمر اس پر متمکّن رہے۔ ہجرت کے وقت چھوٹے لڑکے تھے۔ ہجرتِ نبوی سے چند برس قبل حضرت مصعب بن عمیر اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسلمان ہوئے تو قبیلے والوں کو دعوتِ اسلام دی۔ اسلام کی شہرت کی خبر حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچی تو کم سن ہونے کے باوجود انھوں نے بلا جھجھک اسلام قبول کر لیا۔

یہاں ایک دل چسپ واقعہ پیش آیا۔ ایک اور صحابی حضرت سمرہ بن جندبؓ بھی غزوۂ اُحد کے موقع پر میدانِ جہاد میں حصہ لینے والے لڑکوں کی جماعت میں شامل تھے، سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے کم عمری کی وجہ سے میدان میں جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔

سمرۃ بن جندبؓ اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی عمریں تقریباً تیرہ چودہ برس کی تھیں۔ جب ان کو واپسی کا حکم ہوا تو حضرت خدیجؓ نے سفارش کی اور عرض کیا کہ ''یارسول اللہ (ﷺ)! میرا لڑکا رافع تیر چلانا بہت اچھا جانتا ہے اور خود رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اجازت کے اشتیاق میں اُبھر اُبھر کر کھڑے ہوتے تھے، تاکہ قد لمبا معلوم ہو۔ حضور ﷺ نے اجازت عطا فرما دی تو سمرۃ بن جندبؓ نے اپنے سوتیلے باپ مرۃ بن سنان سے کہا کہ حضور ﷺ نے رافعؓ کو تو اجازت مرحمت فرما دی اور مجھے اجازت نہیں عطا فرمائی، حالاں کہ میں رافعؓ سے زیادہ طاقت ور ہوں، اگر میرا اور اس کا مقابلہ ہو تو میں اس کو بچھاڑ لوں گا۔ حضور ﷺ نے دونوں کا مقابلہ کرایا تو سمرۃؓ نے رافعؓ کو واقعی بچھاڑ لیا۔ اس لیے حضور ﷺ نے سمرۃؓ کو بھی اجازت عطا فرما دی۔ اس کے بعد اور لڑکوں نے بھی کوشش کی اور بعضوں کو اجازت مل گئی۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ اُحد کے موقع پر تین ہزار مشرکین کے مقابلے میں سات سو جان نثارانِ اسلام کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے تھے۔

اس غزوہ میں جہاد کرتے ہوئے ان کے سینے پر ایک تیر لگا جو ہڈیوں کو توڑ کر اندر گھس گیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تیر تو نکال لیا، البتہ اس تیر کی نوک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم میں دھنسی ہوئی رہ گئی۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے بہادر صحابی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ "تم چاہو تو تیر نکلوا دیں گے اور اگر تمھیں شہادت کی تمنا ہے تو اس کو نہ نکلواؤ۔ تم جب بھی اور جہاں بھی وفات پاؤ گے، شہیدوں میں شمار ہو گے۔"

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیر نکلوانے سے انکار کر دیا۔ یہ جذبۂ ایمانی دیکھ کر حضرت محمد ﷺ نے اپنا دستِ مبارک شفقت سے بہادر کم سن صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر رکھا اور دعا بھی دی۔

غزوۂ اُحد کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ احزاب، غزوۂ خندق میں بھی حصہ لیا۔

آپ نام رافع بن خدیج کنیت ابو عبداللہ۔ آپ قبیلۂ اوس سے ہیں۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار فاضلِ صحابہ میں ہوتا ہے۔ علم و ادب سے لگاؤ کی وجہ سے زندگی کا زیادہ تر حصہ علم حاصل کرنے، درس و تدریس اور ترویجِ دین میں گزرا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی ایثار و قربانی کی زندہ مثال تھی۔ غزوۂ اُحد میں سینے میں دھنسے رہ جانے والے تیر کی نوک نے بدن میں ناسور کی شکل اختیار کر لی، اس کا زہر پورے جسم میں پھیل گیا اور بالآخر یہ جاں نثارِ رسول ﷺ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ 86 سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پا گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اُڑن گلہری

فوزیہ خلیل کراچی

''آج میں نے کارٹون میں ایک اُڑن گلہری دیکھی۔'' آیان بولا۔
''گلہری وہی جو زمین میں سرنگ بنا کر رہتی ہیں اور اپنے پچھلے پیروں پر کھڑی ہوجاتی ہیں۔''نعمان نے فوراً کہا۔
''نہیں،نہیں،گلہری نہیں۔۔۔اُڑن گلہری!'' آیان نے جھنجھلا کر کہا۔
''اچھا۔۔۔اُڑن گلہری ان کو شوگر گلائیڈ بھی کہا جاتا ہے۔''نعمان بولا۔
''نہیں،اُڑن گلہری کو Flying Squirrel کہتے ہیں۔Sugar Glide اس سے تھوڑی مختلف ہوتی ہے۔شوگر گلائیڈ کی طبعی عمر اُڑن گلہری سے زیادہ ہوتی ہے۔شوگر گلائیڈ اور اڑن گلہری دونوں میں اور ان کی جسامت بھی ملتی جلتی ہوتی ہے۔ان کے پیروں میں ایک جھلی سی ہوتی ہے،جس کی وجہ سے یہ ہوا میں چھلانگ لگا کر ایک درخت سے دوسرے درخت پر چلی جاتی ہیں۔'' آیان اتنا کہہ کر چپ ہوگیا۔
''اچھا،اچھا۔۔۔سمجھ گیا۔اچھا یہ بتاؤ اُڑن گلہری تم نے کہاں دیکھی،کیا تمہارا ارادہ اس کو پالنے کا ہے؟''نعمان نے ہنس کر پوچھا۔
''نہیں،میرا ارادہ ان کو پالنے کا نہیں ہے،لیکن ان کو پالا جاسکتا ہے،ان کے ساتھ رہنا مشکل ضرور ہے۔''
''مشکل؟ وہ کیوں؟''نعمان نے پوچھا۔
''یہ لوگوں کے لیے اتنی خطرناک نہیں ہیں جتنا کہ ان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے،البتہ یہ ہمارے سامان کے لیے خطرناک ہیں۔'' آیان نے ہنس کر کہا۔
''سامان کے لیے۔۔۔کیا مطلب؟''نعمان نے فوراً پوچھا۔
''ان کو چبانے کی عادت ہوتی ہے جب ان کو گھروں میں رکھا جاتا ہے تو یہ تاروں، پائپوں وغیرہ کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ پانی کے پائپ رِسنے لگتے ہیں،بجلی کے تار ٹوٹ جاتے ہیں۔''
''اچھا اچھا،کیا ان کے تیز نوکیلے دانت ہوتے ہیں؟''
''نہیں ان کے دانت تو نوکیلے نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ بہت خطرناک ہوتی ہیں اور زہریلی بھی نہیں ہوتیں۔'' آیان بولا۔
''مگر میں نے سنا تھا کہ اُڑن گلہری کے ساتھ رہنے سے یا اُس کے گھونسلوں کو ہاتھ لگانے سے ایک بیماری ہوجاتی ہے،یہ بیماری ST کہلاتی ہے۔''نعمان نے کہا،پھر بولا:''ان کے بچوں کے بارے میں بتاؤ؟''
''اُڑن گلہری تین سے 4 بچے دیتی ہے۔ ننھے بچے اندھے اور کم زور ہوتے ہیں،مگر یہ عام گلہریوں کی بہ نسبت تیزی سے جان پکڑتے ہیں۔ جب یہ 6 ہفتے کے ہوجاتے ہیں تو یہ اپنے کام خود کرنے لگتے ہیں اور گھونسلا چھوڑ دیتے ہیں۔'' آیان نے بتانا شروع کیا۔ آیان کی گفتگو سن کر فیضان بھی نعمان کے پاس آبیٹھا۔اُس نے اُڑن گلہری کا نام پہلی مرتبہ سنا تھا۔
''کیا اڑن گلہری اُسی طرح پرواز کرتی ہے،جس طرح پرندے اڑتے ہیں۔ہواؤں میں فضاؤں میں؟''نعمان نے حیرت سے دریافت کیا۔
''نہیں پرندوں کی طرح تو اُس میں طاقتِ پرواز نہیں ہوتی، چمگادڑ میں بھی طاقت ور پرواز ہوتی ہے،مگر اُڑن گلہری اتنی بہت صلاحیت نہیں رکھتی۔ یہ ایک درخت سے دوسرے درخت تک ایک کافی لمبی چھلانگ لگا لیتی ہے۔ہوا میں اڑتے ہوئے یہ اپنی دُم کی مدد سے توازن قائم رکھتی ہے۔اُڑن گلہری کی تقریباً50 سے زائد اقسام پائی جاتی ہیں۔
''اُف۔۔۔اتنی بہت سی اقسام! میں نے تو اس کا نام بھی آج ہی سنا۔اب تک تو میں صرف عام سی گلہری سے ہی واقف تھا۔''فیضان بولا۔
''ہاں،دراصل ان کی پیراشوٹ کی مانند کھال ہوتی ہے،جو کلائی سے ٹخنے تک کھنچی ہوئی ہوتی ہے۔ان کی دم لمبی ہوتی ہے،ان کی ٹانگوں کی ہڈی،بازو کی ہڈی سے کافی بڑی ہوتی ہے۔'' آیان بولا۔
''اچھا،یہ کیا کھاتی ہے؟''
''یہ تقریباً ہر چیز ہی کھالیتی ہے۔پھل،بیج،کلیاں،پھول، حشرات، مکڑیاں، پرندوں کے انڈے، پرندوں کے بچے۔'' آیان نے کہا۔
''اچھا۔۔۔میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا،یہ بھی دن کو سوتی ہے اور راتوں کو جاگتی ہے۔''نعمان بولا۔
''ہاں۔۔۔اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے جاندار بھی پیدا فرمائے ہیں،جو راتوں کو جاگتے ہیں اور دن کو سوتے ہیں،جیسے چمگادڑ،اُلو،شوگر گلائیڈرز،بھیڑیا،لومڑی،اپوسم،گلہری،چوہا، بھالو،کوالا وغیرہ۔اسی طرح چیتا بھی عموماً دن میں سوتا اور رات کو بہت چاق و چوبند ہوتا ہے۔اُڑن گلہری بھی رات کو جاگتی ہے۔اس کی آنکھیں بہت بڑی بڑی ہوتی ہیں۔''
''اچھا۔۔۔یہ کہاں پائی جاتی ہے؟''
''اُڑن گلہری کینیڈا،فلوریڈا،امریکا کی کچھ ریاستوں،الاسکا وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ اس کی کچھ اقسام تو معدومی کے خطرے سے دوچار ہیں،اگر ان کو صحیح ماحول نہ ملا تو وہ نسل ناپید ہوجائے گی۔'' آیان نے کہا۔
''کیا مطلب۔۔۔کیا اس ننھے سے جانور کے بھی دشمن ہیں؟''فیضان ہکلایا۔
''ہاں۔۔کیوں نہیں،اُلو،باز،بلیاں وغیرہ اس کو شکار کر لیتی ہیں۔'' آیان نے جواب دیا۔''اپنے دشمنوں سے بچنے کے لیے یہ بڑی تیزی سے ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگ لگاتی ہے اور اپنے آپ کو پتوں میں چھپالیتی ہے۔'' آیان بولا۔
فیضان سوچنے لگا اللہ تعالیٰ نے بھی کیا کیا مخلوقات پیدا فرمائی ہیں۔

نوٹوں کا درخت

مہوش اسد شیخ

تیسری قسط

''باجی یہ گلاس۔۔۔''
دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوا۔ سامنے بھینس کو کھانا کھلاتی پروین کو مخاطب کیا۔
''اندر کچن میں رکھ دے۔''مصروف انداز میں کہا گیا۔
وہ خاموشی سے کچن میں چلا گیا۔تھوڑی دیر بعد نوٹ ہاتھ میں تھامے باہر نکلا۔
''باجی! پیسے دھیان سے رکھا کر، یہ اندر زمین پر گرے ہوئے تھے۔''
گڈّو نے نوٹ پروین کی طرف بڑھا دیے، وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھے جارہی تھی۔
''شاید تیرے بھائی کی جیب سے گر گئے ہوں۔'' جھجھکتے ہوئے نوٹ تھام لیے۔
گڈّو خاموشی سے اپنے گھر چلا آیا،دل مطمئن تھا۔
رات کو اپنے ننھے درخت کے سامنے چارپائی کھڑی کردی کہ کسی کی نگاہ میں نہ آئے۔
اب اس کا معمول بن گیا کہ وہ صبح تڑکے نوٹ اتار کر کچن میں ایک برتن میں چھپا دیتا، روز کسی نہ کسی کی مدد کرتا،اپنی ضروریات بھی پوری کرتا۔ اس نے ابھی تک اپنا ظاہری حلیہ نہیں بدلا تھا اور نہ ہی گھر کی حالت بدلنے کی کوشش کی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اس پر شک گزرے۔
ایک دن چودھری کے ڈیرے کے قریب سے گزر رہا تھا۔
''چودھری صاحب میری بیٹی کی شادی ہے، کچھ مالی مدد کردیجیے۔'' چودھری صاحب کا پرانا ملازم سجّو ہاتھ جوڑے درخواست کررہا تھا۔
''کب ہے شادی؟''چودھری نے گردن اکڑاتے ہوئے پوچھا۔
''اگلے ماہ کی دس تاریخ۔''ملازم ہنوز ہاتھ جوڑے سر جھکائے کھڑا تھا۔۔۔
''اتنی جلدی بندوبست نہیں ہوسکتا۔''
چودھری نے نخوت بھرے انداز میں صاف جواب دے دیا۔
''چودھری صاحب۔۔۔!'' ملازم التجائیہ انداز میں پکارتا قدموں میں آبیٹھا۔
''کہا ناں۔۔۔نہیں ہے میرے پاس فالتو پیسے۔''
چودھری نے لات مار کر اسے پرے دھکیل دیا اور اپنے کپڑے جھاڑتا محفل برخاستگی کا اعلان کرتے اپنی سواری کی طرف بڑھ گیا۔ ملازم وہیں بیٹھا رو رہا تھا،اس کی آخری امید بھی دم توڑ چکی تھی۔ گڈو یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اگلے لمحے اس کے دماغ میں ایک خیال کوندا۔ وہ کھیتوں کے بیچوں بیچ اپنے گھر کی طرف بھاگا۔ برتن میں اب تک جتنے پیسے جمع ہوئے تھے سب ایک لفافے میں باندھے اور واپس بھاگا۔
گڈو نے دیکھا وہ شخص اب پگڈنڈی پر چلے جارہا تھا۔گڈو نے اس کے قریب جا کر پکارا۔
''چاچا یہ آپ کی پوٹلی گر گئی تھی۔''
''نہیں میری نہیں ہے۔'' سجو نے آنسو صاف کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔
''چاچا آپ ہی کی ہے، میں نے خود دیکھا جب آپ وہاں سے اٹھے تو آپ کی جیب سے گری تھی۔'' جھوٹ بھی اس انداز میں بولا کہ سچ کا گمان ہوا۔
سجو کو پوٹلی لینی پڑی۔ گڈو فوراً پلٹ گیا۔
سجّو نے لفافہ کھولا تو مارے حیرت سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، اسے غیبی امداد سمجھتے ہوئے وہ وہیں سجدہ ریز ہوگیا۔

☆☆☆

گڈو کا درخت پہلے سے دوگنا زیادہ پھل مطلب پیسے دینے لگا تھا۔ اس کے پاس اتنی دولت اکٹھی ہوگئی تھی کہ سنبھالنے کے لیے جگہ نہیں مل رہی تھی۔ ایک دن اس نے سوچا کیوں نہ زمین میں گڑھا کھود کر دولت اس میں دبا دی جائے۔
''بس بہت ہوگئی خدمتِ خلق،اب ساری دولت اکٹھی کروں گا۔ پھر ایک دن یہ گاؤں چھوڑ دوں گا ماں اور اپنے درخت کو شہر لے جاؤں گا،وہاں بڑا سا گھر لوں گا جس کے کسی خفیہ گوشے میں اپنے درخت کو لگاؤں گا۔ باقی کی زندگی عیش و عشرت سے گزرے گی۔''
وہ مستقبل کا لائحہ عمل تیار کرتے ہوئے ساری دولت ایک چادر میں باندھی اور دیوار کے ساتھ ایک گڑھا کھودنے لگا۔
''یہ کیا کررہے ہو گڈو میرے لعل!'' اماں جن کی طبیعت بہتر ہورہی تھی اب تھوڑا بہت چلنے پھرنے لگی تھیں، نے قریب آتے ہوئے پیار سے پوچھا۔
گڈو کا رنگ فق ہوا۔ اس کا اڑتا رنگ دیکھ کر ماں کو کسی انہونی کا احساس ہوا تو آگے بڑھ کر گٹھڑی کھول دی۔ اب حیران ہونے کی باری ماں کی تھی۔ پیشانی پر پانی کے قطرے نمودار ہوچکے تھے۔ سکتہ ٹوٹا تو پیر سے جوتا نکال کر گڈو کو دھننا شروع کردیا۔
''بتا کہاں سے آیا اتنا پیسہ؟ اس عمر میں رسوا کروائے گا اپنی ماں کو،مرے ہوئے باپ کی قبر پر جوتے پڑوانے کا ارادہ ہے کیا؟''
وہ مسلسل بولے جارہی تھی۔ گڈو اسے چپ کروانے کی ناکام کوشش کرتا ہوا کمرے تک لے گیا۔

(جاری ہے۔۔۔۔)

جادوئی بانسری

ڈاکٹر الماس روحی

حضرت آدم علیہ السلام اپنے بیٹوں میں نیک سیرت ہابیل کو بہت پسند کرتے تھے اور اُنھیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ ہابیل بہت فرماں بردار بیٹے تھے۔ سچے اور کھرے تھے۔ سیدھے سچے راستے پر چلتے تھے۔ قابیل، ہابیل سے اس لیے حسد کرتا تھا کہ اسے یقین تھا کہ والد ہابیل کو اپنا جان نشین بنائیں گے۔ شیطان نے اسے قتل پر اُکسایا۔ ہابیل کے قتل کے بعد حضرت آدم علیہ السلام بہت اُداس رہتے اور اللہ پاک سے دُعا کرتے۔

''اے میرے رب! مجھے ایسی نیک اولاد عطا کر جو تیرے دین کو پھیلائے۔ نیک اور صالح بیٹے سے نواز جو نیکی کا پیغام میری مخلوق کو دے۔''

ہابیل کے قتل کے 5، 6 سال بعد جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر 130 سال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوّا کو ایک خوب صورت بیٹا عطا کیا۔ حضرت آدم کا یہ بیٹا اُنھیں بہت پیارا تھا۔ اماں حوّا اور حضرت آدم انھیں اٹھتے بیٹھتے دعائیں دیتے۔ اپنے اس بیٹے کا نام انھوں نے شیث رکھا، جس کے معنی اللہ کا تحفہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیث علیہ السلام کو سیرت کی حسن وخوبی کے ساتھ حسنِ صورت عطا کی۔ آپ حضرت آدم علیہ السلام سے مشابہ تھے۔ وہ بچپن سے ذہین وفطین تھے۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے جنت کی خوبیاں سنتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر 10 صحیفے اللہ تعالیٰ نے نازل کیے تھے، جس میں زندگی میں سیدھے رستے پر چلنے کی ہدایت اور عبادت کی تعلیم دی گئی تھی۔ حضرت آدم روز آسمانی صحیفے اپنے بیٹوں کو سمجھاتے۔ حضرت شیث علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی ہر بات کو غور سے سنتے اور اس پر عمل کرنے کی کوششیں کرتے۔ وقت کے ساتھ ساتھ حضرت شیث علیہ السلام کے ظاہری اور باطنی کمالات ظاہر ہونے لگے۔ آپ ہر دل عزیز ہو گئے۔ آپ کی پیشانی پر نورِ محمد ﷺ کا آفتاب روشن تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام ضعیف ہو گئے۔ وہ تنہائی میں عبادت میں مشغول رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیث علیہ السلام پر 50 صحیفے نازل کئے، جس میں وہ ہدایت تھیں جس سے ایک معاشرہ منظّم ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو بتاتے تھے کہ کن اوقات میں عبادت کرنی ہے۔ بسترِ مرگ کے وقت حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو بلوایا اور جنت کے پھل کھانے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے پھاوڑے، کدال لے کر زمین پر جنت کا پھل تلاش کرنے نکلے، کیوں کہ جنت کے پھل دنیا کے پھل سے زیادہ ذائقہ دار ہوتے ہیں۔ دوسرے جنت کا پھل خراب نہیں ہوتا۔ حضرت شیث علیہ السلام اس موقع پر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس ہی رہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام سے دعا کرنے کو کہا کہ ''جاؤ! نماز میں اللہ سے مرے لیے آسانی اور اپنے لوگوں کی بھلائی کے لیے دعا کرو۔'' پر حضرت شیث علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: آپ خود کیوں دعا نہیں کرتے۔ تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

''مجھے امید ہے کہ میری نسبت تمہاری دعا جلدی قبول ہوگی، تم اللہ کے پاکیزہ اور معصوم بندے ہو، اللہ پاک تمہاری دعا ضرور قبول کرے گا۔''

اُدھر حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو ایک فرشتے نے اطلاع دی کہ حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا سفرِ حیات ختم ہوا، حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے غسل دیا، فرشتوں نے ہی جنازہ پڑھایا اور اونٹ کی کوہان کی طرح قبر بنا کر انسانوں کو بتایا کہ اس طرح دفن کیا جائے۔ حضرت آدم کی تجویز پر حضرت شیث علیہ السلام کا نکاح ہوا حضرت شیث کی اولاد میں انبیاء کرام پیدا ہوئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد دو حصوں میں تقسیم ہوئی، جب ہابیل کا قابیل نے قتل کیا تو وہ اپنی بیوی لے کر میدانی علاقے میں چلا گیا۔ حضرت شیث علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ پہاڑی علاقے میں رہتے تھے۔ پہاڑی علاقے میں رہنے والے مرد خوب صورت، بلند قامت تھے اور عورتیں سیاہ فام تھیں۔ میدانی علاقوں میں رہنے والے مردوں سے زیادہ عورتیں حسین وجمیل تھیں۔ شیطان انسان کے روپ میں ایک شخص کا غلام بن کر میدانی علاقے میں رہنے لگا، یہاں لوگ قابیل کو مانتے تھے۔ قابیل جس نے قتل وغارت گری اور بت پرستی کی بنیاد رکھی۔ شیطان نہیں چاہتا تھا کہ قابیل راہِ راست پر آئے۔ توبہ اور استغفار کر لے۔ اس نے قابیل کو خوب بہکایا۔ قابیل نے حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیمات کو فراموش کیا۔ نت نئے قوانین بنائے، جس میں گناہ کا کوئی تصور نہ تھا۔ بے حیائی اور بے شرمی عام ہوئی۔ یہ علاقہ تلس سے ملتا تھا، جہاں اس نے سکونت اختیار کی۔ شیطان نے ایک جادوئی بانسری بنائی۔ یہ لکڑی کی بانسری تھی، جس کی آواز سن کر لوگ مدہوش ہو جاتے تھے۔ عورتیں رقص کرتیں، اتفاق سے ایک پہاڑی آدمی آیا۔ اس نے عورتوں کے حسن وجمال کو دیکھا اور جا کر اپنی قوم کو بتایا۔ اب پہاڑی علاقے سے لوگ کثرت سے آنے لگے۔ میلہ لگنے لگا۔ میدانی علاقے میں گناہ عام ہونے لگا۔ لوگ وہاں رہائش اختیار کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے حضرت شیث علیہ السلام کے تابع داروں کی تعداد کم ہوتی چلی گئی۔ قابیل کے ماننے والے پہاڑی علاقوں میں رہنے والوں کو تنگ کرتے، ان پر جملے کستے، برا بھلا کہتے۔ وہ لوگ شیطان کے پیروکار تھے۔ حضرت شیث علیہ السلام لوگوں کو سمجھاتے رہے:

''سچا مومن وہ ہے جو اللہ کو مانتا ہے، والدین کا فرماں بردار ہوتا ہے۔ صلہ رحمی کرتا ہے، محتاجوں غریبوں کی مدد کرتا ہے۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے۔''

حضرت شیث علیہ السلام نے 912 سال عمر پائی۔ آپ کی سبق آموز نصیحتیں لوگوں کو ہمیشہ یاد رہیں، ان کے لیے مشعل راہ بنی۔

مشکل الفاظ	معنی
ہر دل عزیز	سب کی محبت
جانشین	ولی عہد
راہِ راست	سیدھا راستہ
پیشانی:	ماتھا
کمالات	معجزات
فراموش	بھلانا
مشغول	مصروف
باطنی	اندرونی
مشعلِ راہ	راستے کی روشنی

مشکل الفاظ	معنی
صالح	سچے رستے پر چلنے والا
بسترِ مرگ	موت کے قریب
آفتاب	سورج
مشابہ	ملنا
سکونت	رہائش
ضعیف	کم زور
ظاہری	بیرونی
تابع دار	ماننے والے
صحیفے	آسمانی اوراق
سیاہ فام	کالی رنگت والی

بینو پہ کیا گزری؟

پہلا حصہ

احمد رضا انصاری

بینو بھیڑ کا منہ تو نیچے گھاس کی طرف تھا مگر اس کی بڑی بڑی آنکھیں دائیں بائیں گھوم رہی تھیں۔ اس کی ساتھی بھیڑیں چراگاہ میں چر رہی تھیں۔ چرواہا فاطو سفیدے کے ایک درخت تلے نیم دراز تھا۔ وہ ابھی دوپہر کی روٹی کھا کر فارغ ہوا تھا۔ پیٹ بھر جانے پر سستی اس پر چھاتی جا رہی تھی۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسے دھیرے دھیرے نیند کی وادی میں دھکیل رہے تھے۔ غنودگی کے عالم میں فاطو چرواہے نے مندی مندی آنکھوں سے اپنی بھیڑوں کے گلے کو دیکھا اور پھر ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گیا۔ رکھوالی کے لیے "جوشی" کتا اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ فاطو جب دو گھڑی سونے لیٹتا تو جوشی پوری ہوشیاری سے بھیڑوں کی نگرانی کرتا تھا اور انہیں چراگاہ سے باہر نکلنے نہیں دیتا تھا۔ اب بھی فاطو کے سوتے ہی وہ اس کے پاس سے اٹھ کر ٹہلتا ہوا بھیڑوں کے آس پاس چکرانے لگا۔

"اس موئے جوشی کی ٹانگیں نہیں تھکتی چلتے پھرتے۔ پھر سے ہمارے سروں پہ آ دھمکا ہے۔ ہونہہ" بینو نے ناگواری سے جوشی کو دیکھا۔ اس کے قریب ہوتے ہوئے وہ اپنا منصوبہ پورا نہیں کر سکتی تھی۔

اس کی بات سن کر پاس ہی گھاس چرتی بینو کی ماں نے اس پہ سخت نظر ڈالی اور غصے سے بولی۔

"یہ ہماری حفاظت کر رہا ہے۔ اس کی موجودگی میں ہم یہاں محفوظ ہیں۔"

"لیکن مجھے تو گھاس کے اس ٹکڑے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ یہاں کی گھاس مزے کی نہیں ہوتی۔ میں دور جھاڑیوں سے پرے جانا چاہتی ہوں۔ وہاں طرح طرح کے پودے اور خوبصورت سنہری اور سبز گھاس ہے۔ یقیناً وہ مجھے پسند آئے گی۔" بینو نے زبان ہونٹوں پہ پھیرتے ہوئے کہا

"اسی گھاس کو غنیمت سمجھو بیٹی۔ اس چراگاہ سے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ سنا ہے جنگل کے گوشت خور جانور ہر وقت ہماری تاک میں رہتے ہیں اور چراگاہ سے پرے گھنی جھاڑیوں میں چھپے رہتے ہیں۔ کہ کوئی بھولی بھٹکی بھیڑ ادھر نکل آئے تو اسے بھنبھوڑ ڈالیں۔۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم گھاس کھانے جاؤ اور کسی دوسرے جانور کی خوارک بن جاؤ" ایک دوسری بوڑھی بھیڑ نے اسے حسب معمول سمجھایا لیکن بینو نے اس کی باتوں پہ توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔۔۔

"یہ بوڑھے لوگ بھی نا، ہر وقت ڈراتے رہتے ہیں تا کہ ہم ٹھیک سے اپنا پیٹ نہ بھر سکیں۔" اس نے بدگمانی سے سوچا۔ بینو نے کچھ دیر گھاس پہ منہ مارا پھر دبے پاؤں ایک سمت کھسکنے لگی۔ وہ دھیرے دھیرے باقی بھیڑوں سے دور چلی آئی تھی۔ جوشی اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید وہ بھیڑوں کے دوسری طرف کھڑا تھا۔

بینو خوشی خوشی اپنے قدم جھاڑیوں کی سمت بڑھانے لگی۔ وہ چند قدم چلنے کے بعد پلٹ کر ایک نظر پیچھے بھی ڈال لیتی تھی تا کہ کوئی اسے جاتا نہ دیکھ لے۔ بھیڑوں کا رخ دوسری طرف تھا اور یہاں سے ان سب کی پشت نظر آ رہی تھی۔

فاطو کا درخت بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ درمیان میں چند چھوٹے درختوں کے تنے حائل ہو گئے تھے اور بینو ان کے اوٹ لیتی جنگل کی جانب چلتی گئی۔ وہ اپنے آپ کو آزاد محسوس کر رہی تھی۔ بالآخر ایک چھوٹی سی چٹان سے اترتے ہی وہ جنگل کے قریب پہنچ گئی۔ وہاں ہر طرف رنگ برنگی جھاڑیاں پھیلی تھیں جن پہ طرح طرح کے پھل و پھول لگے تھے۔ زمین پہ اگی گھاس بہت اونچی تھی جو ہوا سے لہرا رہی تھی۔ چاروں اطراف خاموشی چھائی تھی اور دور دور تک کوئی دکھائی نہیں دیتا تھا۔

"لو جی، یہاں تو کتنا سکون ہے۔ خاموشی چھائی ہے، مجھے پتا نہیں کیوں بھیانک کہانیاں سنا کر اس سمت آنے سے منع کیا جاتا تھا۔" بینو نے بلند آواز میں سوچا۔ اس کی آواز ذرا دور ایک درخت تلے بیٹھے بھیڑیوں تک بھی پہنچ گئی تھی۔

ادھر بینو آس پاس سے بے خبر ہو کر مزے سے گھاس چرنے لگی تھی۔ وہ مزے سے منہ چلاتی ادھر سے ادھر گھوم رہی تھی۔ کبھی اس جھاڑی پر منہ مارتی، کبھی دوسری پہ۔۔۔ وہ نت نئے ذائقوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ شام قریب تھی۔ سورج اپنا سفر مکمل کرنے والا تھا۔ بینو پیچھے کی فکر سے بے نیاز بھوکوں کی طرح ابھی تک کھائے جا رہی تھی۔ اس کا پیٹ پھول کر دگنا ہو چکا تھا لیکن نیت ابھی تک خالی ہی تھی۔

"یہ کہاں سے آ گئی۔" وہ دو بھیڑیے تھے اور ایک جھاڑی میں چھپے بینو پہ نظر رکھے ہوئے تھے۔

"شاید کسی چرواہے کے ریوڑ سے بچھڑ گئی ہے۔" بھورے بھیڑیے نے کالے بھیڑیے کی بات کا جواب دیا۔

"دیکھو تو کیسی فربہ ہے۔ اس کا گوشت کتنا لذیذ ہوگا۔" کالے نے ہونٹوں پہ بے اختیار زبان پھیری۔

"ابھی ندیدہ پن مت دکھاؤ۔ ہو سکتا ہے چرواہا کہیں قریب ہی ہو۔ ان چرواہوں کے پاس بڑے خون خوار کتے بھی ہوتے ہیں۔ ہمیں کچھ صبر کرنا چاہیے۔ جب تھوڑا اور اندھیرا ہوگا تو اس بھیڑ پر پل پڑیں گے۔" بھورے بھیڑیے نے کہا۔

بینو آنے والے

جُنید امِین

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

ھومی اور کوکی

سمیرا انور

ایک روز شام کے وقت جنگل کی ہتھنی ہومی اپنے گھر واپس آ رہی تھی کہ ایک خوف ناک طوفان آ گیا اور پورے جنگل میں ہلچل مچ گئی۔ یہ دیکھ کر ہومی نے اپنی رفتار بڑھا دی، مگر اسی وقت اسے کوّے کی تیز کائیں کائیں سنائی دیں تو اس نے گھوم کر دیکھا۔ سامنے ہی درخت پر ایک کوّے کا گھونسلا تھا، جس کی ایک شاخ سے لٹکا کوّے کا بچہ زور زور سے اپنی ماں کے لیے چیخ رہا تھا، جو دانے دنکے کی تلاش میں گئی ہوئی تھی۔ درخت کی وہ شاخ کسی بھی وقت گرنے والی تھی۔ ہومی کو کوّے کے اس بچے پر رحم آ گیا تو اس نے اپنی سونڈ اٹھائی اور اس شاخ کے گرد لپیٹ دی، جس پر کوّے کا گھونسلا تھا۔ دوسرے درختوں کی شاخیں تو طوفان کی زد میں آ کر بری طرح جھول رہی تھیں، مگر ایلی کی سونڈ نے گھونسلے والی شاخ کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

اسی وقت کوّے کی ماں کوکی بھی وہاں پہنچ گئی، جب اس نے ہومی کو اپنے گھونسلے والی شاخ کو مضبوطی سے تھامے دیکھا تو بہت خوش ہوئی۔

ہومی اسی طرح اپنی سونڈ سے اس درخت کی شاخ کو اس وقت تک تھامے رہی، جب تک طوفان ختم نہیں ہو گیا۔ یہ دیکھ کر کوکی نے ممنون نظروں سے ہومی کو دیکھا، جس نے آج اس کے گھونسلے اور بچے دونوں کو بچا کر اس پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔ اس روز سے ہومی اور کوکی کی ایسی دوستی ہو گئی کہ وہ دونوں ہر وقت ساتھ رہنے لگیں۔ وہ جب بھی جھیل پر نہانے جاتیں تو ساتھ ہوتیں، اکثر کوکی، اپنی گہری دوست ہومی کی پیٹھ پر سوار جھیل کی سیر بھی کرتی تھی اور پورے جنگل میں بھی گھومتی تھی۔

کوکی اکثر سوچتی تھی کہ ہومی اتنی بڑی ہے اور میں اتنی چھوٹی، میں اس کے احسان کا بدلہ کیسے دوں گی؟ اس نے طوفان والے دن میرے گھونسلے اور میرے بچے کو بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔ کاش! میں بھی ایسا ہی کوئی کام کروں اور اس کے کام آؤں!

ایک روز ہومی کا بچہ بیمار ہو گیا۔ اس کے پیٹ میں شدید درد تھا۔ ڈاکٹر زیبرا نے جنگلی جڑی بوٹیوں سے گولیاں تیار کیں، مگر اسے ہومی کے بے بی نے کھانے سے انکار کر دیا، کیوں کہ وہ کڑوی تھیں۔ ہومی اس کے لیے بہت فکر مند اور پریشان تھی، اسے دیکھ کر کوکی بھی پریشان ہو گئی۔ وہ کافی دیر تک کچھ سوچتی رہی، پھر اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ وہ جانتی تھی کہ ہومی کے بچے کو سیب بہت پسند ہے، اگر یہ گولی سیب میں رکھ کر کھلا دی جائے تو کڑواہٹ کا پتا بھی نہیں چلے گا اور دوا بچے کے پیٹ میں پہنچ جائے گی۔ جب یہ بات کوکی نے ہومی کو بتائی تو وہ بھی خوش ہو گئی، مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ گولی سیب کے اندر کیسے رکھی جائے؟ اس موقع پر کوکی نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ اس نے اپنی چونچ سے پہلے سیب میں ایک سوراخ بنایا، پھر اپنی چونچ سے پکڑ کر وہ گولی اس سوراخ میں رکھ دی، پھر اسے شہد لگا کر بند کر دیا۔

کوکی نے شہد کا انتظام اپنی سہیلی شہد کی مکھی سے کیا تھا۔ وہ دونوں بہت اچھی سہیلیاں تھیں، اس لیے جب کوکی نے اس سے شہد مانگا تو اس نے انکار نہیں کیا۔ اس طرح ہومی کے بچے کو ڈاکٹر زیبرا کی دی ہوئی دوا کھلا دی گئی۔

شام تک اس کے پیٹ کا درد کم ہو گیا اور پھر بالکل ختم ہو گیا۔ ہومی اپنی دوست کوکی کی بہت شکر گزار تھی، کوکی بھی خوش تھی کہ آج اُس نے ہومی کے اس احسان کا بدلہ چکا دیا تھا، جو اس نے طوفان والے روز اس کا بچہ اور گھونسلا بچا کر اس پر کیا تھا۔ وہ دونوں گہری سہیلیاں تو پہلے ہی تھیں، مگر اب ان کی دوستی اور بھی پکی ہو گئی تھی۔ انھوں نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک زندہ ہیں، کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی۔

بھیانک وقت سے انجان اطمینان سے چرتی رہی۔ جب اس کا جبڑا تھک گیا تو اس نے سر اٹھا کر آس پاس دیکھا۔ اندھیرا زمین پہ اتر آیا تھا۔ یک لخت اسے شدید پریشانی نے آ گھیرا۔ وہ خوف زدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ وہ واپسی کا راستہ بھول چکی تھی۔ اور اب تک تو اس کا ریوڑ بھی واپس جا چکا ہو گا۔۔۔ درجنوں بھیڑوں میں فاطو نے شاید ہی اس کی غیر موجودگی کو محسوس کیا ہو گا۔

بینو کو جنگل سے درندوں کی خوفناک آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ ابھی کسی سمت سے کوئی شیر اس پہ جھپٹ پڑے گا اور لمحوں میں اسے چیر پھاڑ دے گا۔

بینو اسی سوچ میں گم تھی کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ وہ اندھیرے میں غور سے دیکھتی ایک جانب چلنے لگی۔ آس پاس اگی جھاڑیاں جو دن کی روشنی میں خوبصورت لگ رہی تھیں، اب کسی دہشت ناک مخلوق جیسی نظر آ رہی تھیں۔ بینو خوف سے لڑکھڑاتی اپنی رفتار تیز کرنے لگی تاکہ جلد از جلد اس علاقے سے نکل سکے۔۔۔ ذرا سی آہٹ پہ وہ ٹھہر جاتی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آس پاس سر گھماتی۔ اچانک وہ خوشی سے اچھل پڑی۔ سامنے وہی چٹان دکھائی دے رہی تھی جس کے پرے ان کی چراگاہ تھی۔ اور چراگاہ سے متصل ہی چرواہے کا بڑا سا مکان تھا۔ بینو چٹان پہ چڑھنے لگی اور انھی لمحوں میں کسی نے اس کی لات پکڑ کر واپس نیچے کی جانب کھینچا۔

دونوں بھیڑیے اس کا تعاقب کرتے عین قریب پہنچ گئے تھے اور کالے بھیڑیے نے بینو کی ٹانگ پکڑ کر اسے نیچے گھسیٹا تھا۔ وہ خوف سے چلاتی چٹان سے پھسلنے لگی اور دھب سے زمین پر آ گری۔ کم اونچائی سے گرنے پہ اسے چوٹ نہیں آئی تھی۔ [جاری ہے .....]

بچوں کے فن پارے

اروی عمیر، چہارم، آسا جلال اسکول کراچی

شہیر احمد اقرا روضۃ الاطفال کراچی

محمد احمد 10 سال، دی پروگرامز اسکول کراچی

سید عبد اللہ علی، 8 سال، حفظ باب الاسلام کراچی

ایمان فاطمہ، پنجم، الائیڈ پبلک، تلہ گنگ

دعا اقبال، ہشتم مسلم ایجوکیشن کراچی

ام ہانی، دوم اقرا جنت الاطفال کراچی

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ ام ہانی کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

پیارے بچوں...

یقینا ہمیشہ کی طرح اس بار بھی آپ کا رمضان اور عید اچھی گزری ہوگی۔۔۔۔

اور جس طرح ہم نے رمضان میں سب کو معاف کر کے عبادات کیں اور انھیں محفوظ کرتے ہوئے عید پر سب سے گلے ملے اور آپس میں ایک دوسرے کو معاف کرتے چلے۔۔۔اسی طرح رمضان اور عید کے بعد بھی ہر ایک سے دل صاف رکھ کہ سب کو معاف کرتے رہنا ہے۔۔۔۔

کیوں کہ معاف کرنے کی بہت فضیلت آئی ہے۔۔۔۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں۔۔۔۔میری صفت معاف کرنے کی ہے اور میں معافی کو پسند کرتا ہوں۔۔۔۔۔

اور حدیث سے بھی معافی کی بہت فضیلت ثابت ہے۔۔۔۔

کسی صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا۔۔۔میں اپنے خادم کو کتنی بار معاف کروں۔۔۔۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ستر بار دن میں معاف کیا کرو۔۔۔۔

یعنی کسی کی بار بار کی غلطی کو بھی معاف کر دینا چاہیے۔۔۔۔

اور جب کسی سے ملیں تو بالکل صاف دل کر کے ملیں۔۔۔

تو۔۔۔۔کرتے ہیں نا پیارے بچے وعدہ۔۔۔۔۔

ماہنامہ فہم دین
مئی 2023ء کے لیے سوالات

سوال نمبر 1: کس جانور نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ مجھ میں زہر ہے۔

سوال نمبر 2: سعد کی امی جان نے پراجیکٹ میں لگانے کے لیے کیا دیا۔۔؟

سوال نمبر 3: خالو جان محمد عثمان کے لیے کیا گفٹ لائے؟

سوال نمبر 4: ارما نے روما کے ہاتھ سے کیا لیا؟

سوال نمبر 5: ظفر صاحب نے کس کے آنے کی خبر سب میں پھیلائی۔۔۔؟

فروری 2023 کے سوالات کے درست جوابات

جواب نمبر 1 تقریبا پچاس ہزار مکھیاں

جواب نمبر 2 عفان کے گھر پر تالا پڑا تھا

جواب نمبر 3 عمر شریف 51 سال بیان کی جاتی ہے

جواب نمبر 4 دس کروڑ لوگ وڈیو دیکھ چکے تھے

جواب نمبر 5 ایک دربار کی کہانی سے

فروری 2023ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر کراچی سے

احمد ندیم

کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

سنیے !!!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ اپنا نام، عمر کلاس اسکول/مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کر لیں۔ 03351135011

وفاق المدارس سلامت رہے

جوہر عباد

جہاں میں سدا تیری عظمت رہے
ہمیشہ تیری شان و شوکت رہے
خداداد تجھ کو فضیلت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

اٹھارہ اکتوبر کی بنیاد تو
سن انیس سو اُنسٹھ سے آباد تو
مثالی تیری ہر قیادت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

ہے دیوبند مسلک تیرا امتیاز
ہمیشہ سے کردار تاریخ ساز
تیرے پاس یہ استقامت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

قرآن و احادیث کی تعلیمات
نصابِ مکمل مع تشریحات
یوں ہی اعلیٰ تیری نظامت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

تیری گود سے نکلے لعل و گہر
بڑے معتبر اہلِ علم و ہنر
ہمیشہ یہی خیر و برکت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

اکابر کی دن رات کی کوششیں
لبِ دم بھی جاری رہیں کاوشیں
نفع بخش اُن کی ریاضت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

ہے ماضی تیرا کس قدر عالیشان
ہمیشہ رہا دین کا پاسبان
محافظِ ختمِ نبوت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

نبھاتا ہے تو جو ذمہ داریاں
بنیں گی سبھی صدقۂ جاریہ
یوں ہی فیض پاتی یہ اُمت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

بنائے یوں ایمان مضبوط تر
کہ ہوں سارے باطل کے آگے سَپر
تیرے ہاتھ میں فتح و نصرت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

بلند تو نے پرچم کیا دین کا
تو ہے مستحق داد و تحسین کا
دُعا ہے تو حق کی علامت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

کٹی عمر پڑھتے پڑھاتے ہوئے
معمر ہوئے دیں سکھاتے ہوئے
سبھی پر خصوصی عنایت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

صدر سارے ہیں اہل اکرام کے
تراشیدہ ہیرے ہیں اسلام کے
مہربان سب پر ہی قدرت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

بنے جتنے علماء ہیں اور عالمات
تیری درسگاہوں سے ہیں فاضلات
ہراِک پیرو کارِ شریعت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

شمع دین کی جگمگاتی رہے
یوں ہی ہر نسل فیض پاتی رہے
تیری روشنی دفعِ ظلمت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

فلاحی ریاست کی تشکیل ہو
تیری محنتوں کی یوں تکمیل ہو
ہر اک فرد معمارِ ملت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

اگرچہ ہے یہ دور دورِ فتن
ہے رستہ بہت دور منزل کٹھن
ہمیشہ تو زیرِ حفاظت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

دعائے جوہرؔ ہے تو پھولے پھلے
چلیں یوں ہی تبلیغ کے سلسلے
سدا تجھ پر اللہ کی رحمت رہے
وفاق المدارس سلامت رہے
سلامت رہے تا قیامت رہے

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

حمدِ باری تعالیٰ

صبح تعریفیں شام تعریفیں
ختم تجھ پر تمام تعریفیں
اے جہانوں کے پالنے والے
ہم ترے ساری کائنات تری
کس قدر ہے رحیم ذات تری
مشکلوں سے نکالنے والے
تجھ سے دنیائے ہاؤ ہو مولا
مالکِ آخرت بھی تو مولا
پل کو صدیوں میں ڈھالنے والے
جذبہ بندگی کی حد چاہیں
تجھ سے چاہیں اگر مدد چاہیں
سیدھے رستے پہ ڈالنے والے
نعمتیں اپنی عام کر ہم پر
کھول دے رحمتوں کے در ہم پر
قسموں کو اجالنے والے

مظفر وارثی

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

محمد رحمۃ اللعالمین ہے
وہ فخرِ اوّلین و آخریں ہے
وہی ہیں جان و دل دونوں جہاں کے
بغیر ان کے نہ دنیا ہے نہ دیں ہے
سراپا حسن ہے شامِ مدینہ
یہی تو صبحِ فردوسِ بریں ہے
طفیلِ ماہِ طیبہ چشم بددور
فروزاں آج تک شمعِ یقیں ہے
مدینہ کی سیہ راتیں اللہ اللہ
اندھیرا ہے، مگر نورِ آفریں ہے
بہت دلکش ہیں دنیا کے نظارے
مگر اتنی مجھے فرصت نہیں ہے
کلامِ حق کی ہے تفسیر ماہرؔ
حدیثِ مصطفیٰ کیا دل نشیں ہے

ماہر القادری

عظیم باپ عظیم بیٹا

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے والد غلام تھے، اپنے مالک کے باغ میں کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مالک باغ میں آیا اور کہا: "میٹھا انار لائیے" مبارک ایک درخت سے انار کا دانہ توڑ کر لائے مالک نے چکھا تو کھٹا تھا، اس کی تیوری پر بل آئے، کہا: "میں میٹھا انار مانگ رہا ہوں، تم کھٹا لائے ہو۔" مبارک نے جا کر دوسرے درخت سے انار لایا مالک نے کھا کر دیکھا تو وہ بھی کھٹا تھا، غصہ ہوئے، کہنے لگے: "میں نے تم سے میٹھا انار مانگا اور تم جا کر کھٹا لے آئے ہو۔" مبارک گئے اور ایک تیسرے درخت سے انار لے کر آئے، اتفاقاً وہ بھی کھٹا تھا۔ مالک کو غصہ بھی آیا اور تعجب بھی ہوا، پوچھا "تمہیں ابھی تک میٹھے کھٹے کی تمیز اور پہچان نہیں۔"

مبارک نے جواب میں فرمایا: "میٹھے کھٹے کی پہچان کھا کر ہی ہو سکتی ہے اور میں نے اس باغ کے کسی درخت سے کبھی کوئی انار نہیں کھایا۔" مالک نے پوچھا: ""کیوں؟

اس لیے کہ آپ نے باغ سے کھانے کی اجازت نہیں دی ہے اور آپ کی اجازت کے بغیر میرے لیے کسی انار کا کھانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔" یہ بات مالک کے دل میں گھر کر گئی اور تھی بھی یہ گھر کرنے والی بات! تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعتاً مبارک نے کبھی کسی درخت سے کوئی انار نہیں کھایا۔ مالک اپنے غلام مبارک کی اس عظیم دیانت داری سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کرا دیا، اسی بیٹی سے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو اللہ جل شانہٗ نے علمائے اسلام میں جو مقام عطا فرمایا ہے، وہ محتاج تعارف نہیں۔

کتابوں کی درسگاہ میں، ابن الحسن عباسی، ص:190

فیصلہ سنانے میں جلدی مت کرو

:شعبی کہتے ہیں

میں "میں قاضی شریح کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک عورت روتے ہوئے اپنے شوہر کی شکایت لے کر آئی جو کہ گھر سے باہر تھا، عورت زار و قطار رو رہی تھی،

:میں نے قاضی شریح سے کہا

"اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت رکھے، میرے خیال میں یہ عورت مظلوم ہے اور اس کا حق پامال ہوا ہے۔"

قاضی شریح نے پوچھا: "کس دلیل کی بنا پر تم اس عورت کو مظلوم سمجھ رہے ہو؟"

میں نے عرض کیا: "اس کے زار و قطار رونے اور آنسوؤں کا سمندر بہانے کی وجہ سے۔"

قاضی شریح نے فرمایا: "جب تک حقیقتِ معاملہ واضح نہ ہو جائے، فیصلہ سنانے میں جلدی مت کرو، کیوں کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی جب اپنے والد یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں آئے تھے تو وہ بھی زار و قطار آنسو بہا رہے تھے، حالاں کہ انوں !!نے یوسف علیہ السلام پر ظلم ڈھایا تھا۔

سنہرے فیصلے، عبدالمالک مجاہد، ص:289

ایک شکر گزار عورت کا واقعہ

آپ کو یاد ہو گا کہ ایک مرتبہ میں سکھر گیا تھا، وہاں میرے ایک عزیز کرنل صاحب تھے۔ باتوں باتوں میں انھوں نے بتایا کہ ہم دونوں میاں بیوی چار بجے اٹھتے ہیں، گرمیوں کے موسم میں چار بجے تہجد پڑھی، اس کے بعد فجر کی نماز پڑھ کر میں تو لیٹ جاتا ہوں اور کوئی آٹھ بجے اٹھتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ گھر والی مصلے پر بیٹھی ہے، چار بجے سے دعائیں مانگ رہی ہے، یہ ہمیشہ کا معمول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اس سے کہا کہ تو کیا مانگتی رہتی ہے۔ چار گھنٹے ہو گئے۔ کہتی ہے کچھ بھی نہیں مانگتی رہتی۔ بس اللہ کا شکر ادا کرتی رہتی ہوں۔ یا اللہ! آپ نے ہم پر کتنے انعامات فرمائے ہیں، بس یہی شکر کرتی رہتی ہوں، سبحان اللہ! کیسی شکر گزار بی بی ہیں۔

اصلاحی مواعظ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، ج:ا ص:265

وقت کی خوبصورت تقسیم

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ پیارے نبی ﷺ جب گھر میں تشریف لاتے تو پہلے اجازت طلب فرمالیا کرتے۔ اپنے گھر کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے، ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں وقف فرماتے، ایک حصہ اپنی ذاتِ اقدس اور لوگوں کے لیے اور ایک حصہ اپنی ازواج مطہرات کے لیے۔

پیارے رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ میں یہ بات شامل تھی کہ پیارے رسول اللہ ﷺ ہر ایک کی بات توجہ سے سنتے اور ان کی رائے کا احترام کرتے۔ پیارے نبی ﷺ لوگوں سے ان کی تکالیف اور حالات کے بارے میں خود بھی دریافت فرمالیا کرتے اور ان کے حل کے لیے کوشاں رہتے۔ پیارے نبی ﷺ ہر ایک صحابی سے اس قدر پیار اور شفقت فرماتے کہ ہر ایک کو یہ گمان ہوتا کہ میں ہی محبوب ترین ہوں، جو کوئی پیارے نبی ﷺ سے بحث کرتا یا تکرار کرتا تو پیارے رسول اللہ ﷺ صبر فرماتے حتیٰ کہ وہ خود اپنی باتوں سے خاموش ہو جاتا، جو کوئی پیارے نبی ﷺ کے پاس اپنی ضرورت لے کر آتا اس کی ضرورت کو پورا فرماتے۔

پیارے رسول کے پیارے اخلاق، پروفیسر محمد مشتاق، ص: 46

والدین کی اوّلین ذمہ داری

ماں باپ کو چاہیے کہ وہ اولاد کو دین سکھائیں، تاکہ بچے بڑے ہو کر ماں باپ کے بھی فرماں بردار بنیں اور اللہ تعالیٰ کے بھی فرماں بردار بنیں۔ شروع سے بچے کو نیکی سکھانا یہ ماں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ان میں ایک نقطہ یہ بھی ذہن میں رکھ لیں کہ ماں کو چاہیے کہ جب دینی شخصیات کا نام آئے علما کا نام، اولیا کا نام، مشائخ کا نام، انبیا کا نام، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا نام جب ایسی شخصیتوں کے نام آئیں تو ماں کو چاہیے کہ بڑے ادب کے ساتھ بچے کے سامنے نام لے۔ جب ماں دینی شخصیتوں کا نام بڑے ادب کے ساتھ بچے کے سامنے لے گی تو بچے کو Message ملے گا کہ بیٹا تم بھی ایسا بننا۔ تمہیں بھی عزت ملے گی، چناں چہ جب آپ اس طرح سے ان کے سامنے اچھا نام لیں گے تو بچہ عالم، حافظ، قاری بننے کی کوشش کرے گا، نیک بننے کی کوشش کرے گا۔ نیک بندوں کے احوال اور واقعات اس کو سنائیں اور بچوں کو ان کا تعارف کروائیں، جب آپ تعارف کروائیں گے تو بچے کے پاس علم کا ذخیرہ آ جائے گا کہ میں نے بھی ایسے بننا ہے۔ عام طور پر مائیں اپنے بچوں کو اس قسم کے واقعات نہیں سناتیں بلکہ کبھی سنانا بھی ہے تو کسی نے مرغے کی کہانی سنائی، کسی نے بلی کی کہانی سنائی اور کسی نے چڑیا کی کہانی سنائی، بڑی خوش ہوتی ہیں کہ میرا بچہ مرغے کی کہانی سن کر سو جاتا ہے، ان کو جنت کی باتیں سنائیں تو اس سے بچے کے اندر نیکی کا شوق آتا ہے۔

والدین [illegible] ایک عظیم نعمت، [illegible]، ص:154

چیزیں اتنی بھی مشکل نہیں

ایک طالب علم کلاس میں سویا ہوا ہے، جب وہ اٹھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ استاد نے بورڈ پر کچھ سوالات لکھے ہیں اور وہ کہہ رہا ہے کہ انہیں کل حل کر کے لانا ہے۔ طالب علم گھر چلا جاتا ہے۔ وہ گھر جا کر ان سوالوں کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ساری رات لگا رہتا ہے، صبح تک وہ سارے سوال حل کر لیتا ہے۔ ان کے جواب اسے مل جاتے ہیں۔ جب کلاس روم میں جاتا ہے تو استاد کے سامنے وہ جوابات رکھ دیتا ہے۔ استاد بڑا حیران ہوتا ہے۔ وہ پوری کلاس کو بتاتا ہے کہ یہ اس نے کیسے حل کر لیے، کیوں کہ میں تو کل کہہ رہا تھا کہ انہیں حل نہیں کیا جا سکتا۔ بچے استاد کی طرف حیرانی سے دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ استاد نے یہ کب کہا تھا۔ اسے یاد آتا ہے کہ جب استاد یہ کہہ رہا تھا کہ ان سوالوں کو حل نہیں کیا جا سکتا، تب میں کلاس میں سویا ہوا تھا۔ ہمارے ساتھ زندگی میں کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ہمارا جو رویہ چیزوں کے بارے میں بنتا ہے، وہ دراصل دوسروں کی رائے سے بنتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کام بہت مشکل ہے ناممکن ہے، ایسا ہو ہی نہیں سکتا، حالاں کہ حقیقت یہ نہیں ہوتی۔ اگر ہم اس وقت اپنے رویے کو مثبت کر لیں کہ چیزیں اتنی بھی مشکل نہیں ہیں تو یقین کیجیے کہ بے شمار ناممکنات ہمارے لیے ممکنات بن سکتے ہیں۔

بڑی منزل کا مسافر، قاسم علی شاہ، ص:190

اپنے اندر بے چینی پیدا کریں

آج ہمارے معاشرے میں جتنے منکرات، برائیاں اور گناہ برسرِ عام ہو رہے ہیں۔ فرض کریں کہ آج ہمارے اندر ان کو ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہیں، لیکن اگر ہم میں سے ہر شخص اپنے دل کے اندر یہ بے چینی پیدا کر لے کہ معاشرے کے اندر یہ کیا ہو رہا ہے۔ ان برائیوں کو کسی طرح روکنا چاہیے اور یہ بے چینی اور بے تابی اس درجہ میں ہونی چاہیے، جس طرح ایک آدمی کے پیٹ میں درد ہو رہا ہو، جب تک وہ درد ختم نہیں ہو جاتا، اس وقت تک انسان بے چین رہتا ہے، اسی طرح ہم سب کے دلوں میں یہ بے چینی اور بے تابی پیدا ہو جائے تو اس کے نتیجے میں آخر کار معاشرے سے یہ منکرات اور برائیاں ختم ہو جائیں گی اور ان برائیوں کو روکنے کا راستہ مل جائے گا۔

اصلاحی خطبات، مفتی محمد تقی عثمانی، ج:9 ص:224

دی انٹیلیکٹ اسکول

رپورٹ: اہلیہ محمد کاشف

دینی ماحول میں بہترین عصری تعلیم کے لیے 2007ء میں چند اساتذہ اور 16 طلبہ و طالبات سے دی انٹیلیکٹ اسکول کی ابتدا ہوئی۔ طلبہ کی تعداد میں اضافے کے پیشِ نظر 2013ء میں اسکول کورنگی کراسنگ منتقل ہو گیا۔ جہاں پانچ ایکڑ اراضی پر طلبہ و طالبات کے لیے علیحدہ علیحدہ عمارتیں قائم کی گئیں، جن میں سوئمنگ پول، کھیل کا میدان، آڈیٹوریم۔ 3 لائبریریاں، 4 کمپیوٹر لیب، 6 تجزیہ گاہیں (سائنس لیب)، ملٹی میڈیا پروجیکٹر موجود ہیں۔ 2018ء میں اے لیول کا آغاز ہوا۔ انٹیلیکٹ اسکول اے لیول نے مخلوط کی بجائے طلبہ اور طالبات کی علیحدہ کلاس کو نہ صرف ممکن بلکہ کامیاب بنایا۔ الحمدللہ!

وژن: دی انٹیلیکٹ اسکول بحیثیت علمبردارِ پاکستان اور بیرونِ ملک تعلیمی اداروں کے نیٹ ورک کے قیام میں اپنی ایسی خدمت انجام دے پائے، جس کی بدولت مروّجہ نصابِ تعلیم کو اسلامی اقدار اور اصولوں سے ہم آہنگ کیا جا سکے۔

مشن: طلبہ کی جسمانی، روحانی اور تعلیمی صلاحیتوں کی نشو و نما اس طرح کرنا کہ وہ معاشرے میں مثبت تبدیلیاں لا سکیں۔

شعبہ جات: ☆ گرلز ونگ: نرسری تا اولیول ☆ بوائز ونگ: چہارم تا اولیول ☆ حفظ کیمپس ☆ اے لیول گرلز ☆ اے لیول بوائز

کیمبرج او لیول سالانہ نتائج 2021 تا2022

فزکس	100% A*& A
اردو، کیمیسٹری، ایڈیشنل میتھمیٹکس، عربی، انوایرمینٹل مینجمنٹ	100% A*, A & B
انگلش لینگویج، اکاؤنٹنگ، میتھمیٹکس، بایولوجی، کمپیوٹر سائنس، پاکستان اسٹڈیس، سوشیولوجی	90-99% A*, A & B
اکنامکس، اسلامیات، بزنس اسٹڈیز	85-89% A*, A & B

کیمبرج اے لیول سالانہ نتائج 2021 تا2022

کیمسٹری	100% A* & A
اکاؤنٹنگ، سائیکولوجی، سوشیولوجی	100 % A
میتھمیٹکس، فزکس	100% A*, A & B
بایولوجی، اکنامکس	75% A*, A & B

نمایاں کارکردگی

عمار شفقت (ورلڈ ٹاپر اکنامکس)
کیمبرج مئی/جون 2022

تعلیمی سال 2021-22 کے بہترین طلبا (گولڈ میڈلسٹ)	
اولیول	محمد عمار، مسفرہ رضوان
اے لیول	فاطمہ جہانزیب

اولیول کیمبرج سالانہ نتائج 2021 تا2022	
مسفرہ رضوان، عائشہ جنید، راحمہ عمیر سیگل	100% A*
محمد عمار، محمد خان	9 A*

ہم نصابی سرگرمیاں: بین المدارس مسابقوں، مقابلوں میں کارکردگی

IKLC بین الاقوامی کینگر و انگریزی لسانی مقابلہ	4 گولڈ میڈل، 6 برونز میڈل
CATSO بین الاقوامی آرٹ اور تخلیقی تحریری مقابلہ 2023	6 سلور میڈل، 7 برونز میڈل
معارف انٹر اسکول ریاضی اولمپیاڈ MISMO	تین: اول پوزیشن
بیت السلام اولمپیاڈ انگلش تقریری مقابلہ	سوئم پوزیشن
بیت السلام اولمپیاڈ میتھس کوئز	اول پوزیشن
ICATS میتھس مقابلہ	گولڈ میڈل
سیرت النبی اردو تقریری مقابلہ جامعۃ المحسنات	دوم پوزیشن
انٹر اسکول انگلش ڈیکلیمیشن مقابلہ، ریفلیکشن اسکول	اول پوزیشن (جونئر)، دوم پوزیشن (اولیول گرلز)، سوئم پوزیشن (بوئز، مڈل گرلز)
بین المدارس انگلش تقریری مقابلہ انٹیلیکٹ اسکول	سوئم پوزیشن
انگریزی لسانیات کا مقابلہ ICATS	نیشنل ٹاپر، 6 پروویژنل ٹاپر، 5 اسکول ٹاپر
رینبو آرٹ اور تخلیقی تحریری مقابلہ	7 گولڈ میڈل، 9 سلور میڈل
آرٹ اور تخلیقی تحریری مقابلہ، A2Z Champs	گولڈ میڈل
HRCA آرٹ اور تخلیقی تحریری مقابلہ	7 سلور میڈل، 3 برونز میڈل، اسپیشل اوارڈ
13 ویں آرٹ بیٹ مقابلہ	دوم پوزیشن
انٹر اسکول آرٹ مقابلہ ہیپی ہوم اسکول	سوئم پوزیشن
انٹر اسکول گرلز تھرو بال ریفلیکشنز	فاتح ٹیم

ہم نصابی سرگرمیاں

نرسری تا جماعت سوئم: دادی نانی ویک، پروفیشنل ڈے، فارمر مارکیٹ، مقابلہ قرأت، ایلیکیوشن، اسپیلنگ بی، سالانہ پریزینٹیشن، آرٹ کی نمائش

چہارم تا اولیول: اردو، عربی اور انگریزی میں تقریری، تحریری اور اسپیلنگ مقابلے، سالانہ میتھ میٹ، مقابلہ حمد/نعت اور قرأت، بیک سیل، سائنس/پروجیکٹ ڈے، بزنس ڈے

الخوارزمی میتھ سوسائٹی: اولیول طلبہ کی اس سوسائٹی کے تحت میتھ ٹرانسکرپٹ اور میتھ انیگما کا انعقاد۔

اے لیول: 6 ستمبر پریزینٹیشن، باربی کیو، سماجی سرگرمیاں، یونیورسٹی فیئر، بیک سیل، اسپورٹس اور آرٹ مقابلے آزادیٔ پاکستان اسمبلی، ڈیفنس ڈے، اقبال ویک، فیلڈ ٹرپ، بک فیئر، اسپورٹس ڈے، سوئمنگ، بیت السلام کے اشتراک کے ساتھ سیلاب اور زلزلہ زدگان کے لیے ب ڈونیشن ڈرائیو، انڈس ہسپتال کے ساتھ بلڈ ڈونیشن کیمپین۔

تربیت پروگرام: جماعت کی سرگرمی کا آغاز دعا اور معاملات میں سنت کا اہتمام، جیسا کہ سر کو ڈھانپنا اور لین دین میں سیدھے ہاتھ کا استعمال، نماز ظہر، تجوید اور فقہ کی کلاسیں، مسنون دعاؤں اور احادیث کی تعلیم۔
تمام مضامین میں اسلامی اقدار کے ساتھ اسباق کی ہم آہنگی کی کوشش کی جاتی ہے۔ لائبریری میں کتابوں (خصوصاً انگریزی فکشن) کو پرکھ کر اس بات کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے کہ اسلامی اقدار کے خلاف مواد لائبریری میں شامل نہ ہونے پائے۔
تربیتی پروگرام کی افادیت کی پیمائش کرنے کے لیے والدین اور عملے سے سروے بھی کیا جاتا ہے، تاکہ اصلاح اور بہتری کا سفر دین کے بتائے ہوئے تربیتی اصولوں پر گامزن رہے، انشاءاللہ!

BAITUSSALAM

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

سستی روٹی پراجیکٹ

5 روپیہ

صرف عزت نفس کی خاطر

لاکھوں روٹیاں مستحقین تک

سپر فائن آٹا براہ راست
بیت السلام ویئر ہاؤس
بھی پہنچا سکتے ہیں
کم سے کم 50 کلو